وما كان صلاتهم عند البيت الا مكاء وتصدية فذوقوا العذاب بما كنتم تكفرون ۝ سورہ الانفال - آیت 35

[illegible]

[illegible]

نمازوں کو الوداع

صلوٰۃ اور نماز کے واضح فرق پر ایک مفصل تحقیقی جائزہ

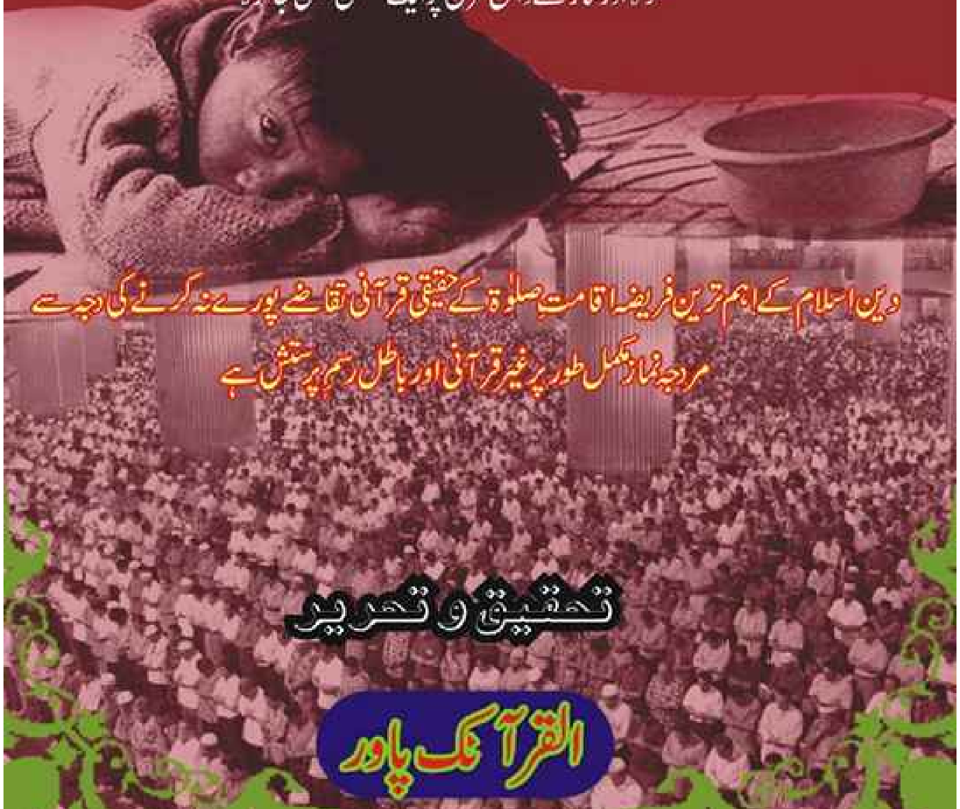

دین اسلام کے اہم ترین فریضہ اقامتِ صلوٰۃ کے حقیقی قرآنی تقاضے پورے نہ کرنے کی وجہ سے

مروجہ نماز مکمل طور پر غیر قرآنی اور باطل رسم پرستش ہے

تحقیق و تحریر

القرآ نک پاور

فہرست عنوانات

تمہید

باب اول: عبادت کا حقیقی مفہوم

باب دوم: قرآن میں عبادت کے ہمیشہ نتیجہ خیز ہونے کی خوشخبری

باب سوم: اسلام کے اہم ترین فریضہ "اقامتِ صلوٰۃ" (انسانی فلاحی نظام کا قیام) کا تعارف

باب چہارم: قیامِ صلوٰۃ کی پہلی صورت: (صلوٰۃ، انسانی فلاحی نظامِ حکومت کے معنی میں)

باب پنجم: قیامِ صلوٰۃ کی دوسری صورت: (صلوٰۃ، انفرادی فرائض منصبی کے معنی میں)

باب ششم: قیامِ صلوٰۃ کی تیسری صورت: (صلوٰۃ: مسجد میں ہونے والے قرآن فہمی و مشاورت کے اجتماعات کے معنی میں)

باب ہفتم: قرآن کی رو سے اجتماعات صلوٰۃ (نماز) کے مختلف قابل غور پہلو اور قبلہ کا حقیقی تصور

باب ہشتم: صلوٰۃ کے قرآنی نظام سے امت کا فرار اور اس کی بڑی وجوہات

باب نہم: اب کیا کیا جائے؟ (مسئلہ کا پائیدار حل)

باب دہم: مسجد کا حقیقی مقام

باب گیارہ دھم: میرا یہ مضمون پڑھنے کے بعد قارئین کے اذہان میں اٹھنے والے چند ممکنہ سوالات اور ان کے پیشگی جوابات۔

حرفِ آخر

تمہید

ایک عرصہ سے میں فرقہ پرست مسلمان بھائیوں کا یہ معمول نوٹ کر رہا ہوں کہ جیسا کہ ہم انہیں دین اسلام سے متعلق حقائق سے آگاہ کرتے اور ان کے سامنے قرآن کریم کے حقیقی اسلام کو پیش کرتے ہیں اور انہیں بتلاتے ہیں کہ قرآن و سنت کو دین بنا کر اکٹھا پیش کرنا درست عمل نہیں۔ ان دونوں کا ہم تک پہنچنے کا طریقہ بالکل ہی مختلف ہے۔ قرآن ہم تک اللہ تعالیٰ کے وعدہ حفاظت کی بدولت پہنچا ہے جبکہ حدیث و سنت ہم تک انسانی کوششوں سے پہنچی ہے۔ اور اس انسانی کوشش کو جو کہ غلطیوں، اشکالات، تضادات سے بھرپور ہے کو کسی صورت دین کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔ اور نہ ہی اسے قرآن کریم کی تشریح کہا جا سکتا ہے۔ اس ضمن میں اور میرے دیگر ساتھی فیس بک پر ایک مشترکہ کاوش میں مصروف ہیں کہ کسی طرح امت قرآن کریم کی حقیقی روح کو سمجھنے کے قابل ہو جائے۔

لیکن جب بھی ہم ایسی کسی کاوش میں مصروف عمل ہوں تو ہماری بات سمجھنے کی کوشش کرنے کی بجائے آگے سے یہ سوال کر دیا جاتا ہے کہ "اچھا بتاؤ کہ نماز کا طریقہ قرآن سے کیسے ثابت کریں گے؟ حدیث کو نہ مانیں تو نماز کی تشریح کہاں سے لی جائے؟ نماز کا طریقہ قرآن میں بتاؤ، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کو کیسے ادا کیا جائے گا اگر ہم حدیث کو قرآن کی تشریح نہ مانیں۔ حدیث نہایت ضروری ہے۔ حدیث کے بغیر قرآن کے احکامات پر عمل نہیں کیا جا سکتا۔ چونکہ یہ سوالات حقیقت میں اہم اور ضروری بھی ہیں۔ اور ان کا جواب فیس بک یا دیگر سماجی رابطہ کی ویب سائٹس پر مدلل، مفصل اور جامع انداز میں دینا بھی وقت طلب کام ہے۔ اس لئے میں ایسے سوالات کرنے والے تمام دوستوں کو کچھ عرصہ سے کہہ رہا تھا کہ میں نماز و صلوٰۃ کے متعلق تحقیقات میں مصروف عمل ہوں اور اس کے بعد میں ایک مدلل، مفصل اور جامع مضمون تحریر کروں گا اور اسے یہاں شائع کروں گا۔ تاکہ ہر بہن بھائی اس سے استفادہ کر سکے اور قرآنی احکامات کی حقیقی تشریح سب کے سامنے جامع شکل میں آ سکے۔ چونکہ اکثر علمائے کرام اس موضوع پر پہلے ہی سیر

حاصل گفتگو کر چکے ہیں اور کتابیں بھی لکھی جا چکی ہیں۔ میرا کام کوئی نیا نہیں۔ مگر مسئلہ کی نوعیت اور امت میں اس معاملہ پر پائی جانیوالی بے چینی کے حقیقی حل اور فہم نظام صلوٰۃ کی خاطر کی جانیوالی کوششوں میں جامعیت و آسان فہمی پیدا کرنے کی خاطر میں ہر پہلو پر ترتیب وار گفتگو کر کے تمام تحقیقات کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد انہیں اپنی سمجھ اور اپنے الفاظ میں ادا کر کے صلوٰۃ کے موضوع پر حتمی تحقیق فراہم کرنے کی غرض سے میں نے نہایت محنت سے یہ تحقیقی مضمون کتابی شکل میں تحریر فرمایا ہے۔ امید ہے اللہ مجھے میری اس محنت کا اجر ضرور دے گا اور اس سے ان سب سوالات کے جواب مل سکیں گے جو مسلمان صلوٰۃ اور نماز کو لے کے ہمارے سامنے اٹھاتے ہیں۔ میں نے نہایت محنت کی ہے۔ اور اس سے میرا واحد مقصد ایک طرف اپنے مسلمان بھائیوں اور بہنوں کی اصلاح اور ان کی معلومات قرآنی میں اضافہ ہے اور دوسری طرف ان مفاد پرست عناصر (استحصالی حکمران طبقہ، مذہبی پیشوائیت اور سرمایہ داری نظام کے سایہ میں انسانیت پر مسلط شیطانی قوتوں) کے بھیانک چہروں سے خوبصورت نقاب اتارنا ہے۔ جنہوں نے عوام سے صلوٰۃ کی حقیقت کو دانستہ طور پر دور رکھا۔ اور معاشرہ میں فلاحی نظام کے قیام کی بجائے بیچارے انسانوں کو دین حقیقی سے برگشتہ رکھ کر ایک باطل و بے مقصد مذہبی پرستش میں لگائے رکھا۔ بس یہاں جو کچھ بھی بیان کیا جائیگا وہ میری نو سالہ تحقیق کا نچوڑ ہے جو میں نے ان برسوں میں محنت کے ساتھ مطالعہ اور تحقیق کر کے حاصل کیا۔ آپ سب کے لئے بھی پیش خدمت ہے۔ دعاؤں میں یاد رکھیئے گا۔

اور ہاں۔ ایک اہم بات اور۔ مضمون کو مکمل طور پر سمجھنے کے لئے میری آپ سے گزارش ہے کہ اسے بیچ میں سے پڑھنے کی بجائے صرف اور صرف باب اول سے آخر تک سلسلہ وار اور بغور پڑھا جائے۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ کو یہ مضمون سمجھ میں نہیں آئے گا اور حق آپ تک نہیں پہنچ سکے گا۔ اس لئے میری یہ درخواست نہیں بلکہ مضمون کو سمجھنے اور حقیقت کو پانے کے لئے شرطِ اولین ہے۔ شکریہ

القرآنک پاور

باب اول: عبادت کا حقیقی مفہوم

میرا یہ دعویٰ ہے کہ مسلمانوں سمیت تمام دنیا اگر صرف ایک لفظ ''عبادت'' کا حقیقی مفہوم سمجھ لیں تو کامیابی ہر جگہ ان کے قدم چومے۔

قرآن کریم میں ایک جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

''ہم نے جن وانس کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔'' (51/26)

''عبادت'' عبد سے نکلا ہے جو کہ ایک عربی لفظ ہے۔ یہ قرآن کریم میں بیشتر مقامات پر استعمال ہوا ہے۔ اور لفظ عبادت اسے سے ماخوذ ہے۔ دین اسلام کی بنیاد چونکہ عبادت پر ہے۔ اس لئے یہ بھی ضروری ہے کہ مسلمان عبادت کے حقیقی مفہوم سے بھی خوب آگاہ اور عمل پیرا ہوں۔ ورنہ ان کی کوئی مسلمانی نہیں۔ کوئی اسلام نہیں جب کہ ان کو عبادت کے ہی مفہوم کا علم نہ ہو۔ آئیں ہم اس لفظ کے حقیقی مفہوم سے آپ کو روشناس کراتے ہیں۔

عبد کے معانی ہیں غلام، محکوم اور فرمانبردار۔ اس کی جمع عبید ہے۔ اسی وجہ سے عبادت کے معانی بھی کسی کی غلامی، محکومی اور اطاعت اختیار کرنا ہے۔ یعنی اس نے جن فرائض پر آپ کو مامور کیا ہے ان فرائض کو کمال فرمانبرداری سے بجا لانا۔ اور اس کے ہر حکم کی تعمیل کرنا۔ دین اسلام کی بنیاد بھی اسی اصول پر ہے کہ اطاعت اور محکومیت صرف اور صرف ان قوانین الٰہی کی ہوگی جو قرآن کے اندر وحی کی صورت محفوظ کر دیے گئے ہیں۔ اللہ کے سوا کسی اور کی فرمانبرداری نہیں کی جائیگی۔ اسی کا نام اللہ کی عبادت ہے۔ یعنی ہر معاملہ میں اللہ کے پیش کردہ قوانین اور احکام کی اطاعت کرنا۔

تاریخ انسانی گواہ ہے کہ جب بھی اللہ کے نازل کردہ دینی احکام کو دین کی بجائے ایک رسمی مذہب کی شکل دے دی گئی تو عبادت سے مراد صرف پرستش، پوجا پاٹ اور چند رسومات کی پیروی لے لیا گیا۔ چونکہ رسمی طور پر پرستش کرنے کا تصور قرآن کریم میں موجود نہیں۔ اور دین میں اللہ کی پرستش نہیں کی جاتی بلکہ اس کی اطاعت کی جاتی ہے۔ ان احکام

کی تعمیل کی جاتی ہے۔جس کا اس نے حکم دیا ہے۔

قرآن کریم میں جہاں جہاں یہ لفظ اللہ کے لئے آیا ہے اس سے مراد اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری ہے۔اور جہاں جہاں یہ لفظ کفار ومشرکین کے لئے آیا ہے اس سے مراد پرستش و پوجا (ان کے عقائد کے مطابق) ہے۔اس لئے کہ وہ اپنے معبودوں کی پرستش کیا کرتے تھے۔اور اس کے لئے یہی لفظ بولتے تھے۔چنانچہ قرآن کریم نے ان کے لئے ان مقامات پر یہ لفظ اسی رسمی پرستش کیلئے استعمال کیا ہے۔مگر اپنے لئے اللہ نے کہیں بھی یہ لفظ رسمی پرستش کے لئے استعمال نہیں کیا۔

دین اور مذہب میں بنیادی فرق ہی یہی ہے کہ انسان خود نتائج سے محسوس کرسکتا ہے کہ کہاں مذہب پر عمل ہورہا ہے اور کہاں دین پر۔دیکھیں اطاعت اور فرمانبرداری میں یہ بات ہر وقت دیکھی اور پرکھی جاسکتی ہے کہ اللہ کی عبادت ہو رہی ہے یا نہیں۔لیکن پرستش اور پوجا محض ایک داخلی جذبہ ہے یا قیاسی تسکین (فریب نفس) جسے دیکھا یا پرکھا نہیں جا سکتا۔اسی لئے ہر پرستش کرنے والا اپنے طور پر دل ہی دل میں مطمئن ہو جاتا ہے کہ وہ اپنا فریضہ ادا کررہا ہے۔

اس کے برعکس اطاعت دین (اللہ کی عبادت) میں نہ ایسا دھوکہ دیا جاسکتا ہے نہ اس قسم کا جھوٹا اطمینان حاصل ہوسکتا ہے۔معبود کا لفظ قرآن کریم کے اندر موجود نہیں۔قرآن مجید کے اندر جہاں جہاں بھی یہ لکھا ہے کہ ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں (یا اس سے ملتے جلتے الفاظ) تو اس سے مراد صرف یہی ہے کہ ہم صرف ان قوانین کی پیروی کرتے ہیں جو اللہ نے قرآن کریم کے اندر ہمارے لئے متعین کردئے ہیں۔

عربی لغت میں عبد کے معانی غلام ہیں اور عبودیت کے معنی ہیں غلامی۔ان تمام الفاظ کا مشترکہ مفہوم محکومی، تابعداری اور خدمت گزاری ہی بنتا ہے۔عرب لوگ جب کوئی رسمی دفتری نوعیت کی درخواستیں تحریر کرتے ہیں تو اس کے آخر میں ہماری طرح Obedient یا Servant نہیں لکھتے۔بلکہ مخلص یا ''عبدک مطیع'' لکھتے ہیں۔یعنی آپ کا تابعدار بندہ۔

سعودی عرب سمیت ہر عرب ریاست غلاموں سے بھری پڑی ہے۔ ہر بڑے گھر میں عبد اور عبدات (کنیزیں) ہوتی ہیں۔ وہاں کبھی بھی کسی غیر ملکی نے یہ نہیں دیکھا ہوگا کہ ان گھروں میں موجود عبد یا عبدات (کنیزیں) اپنے آقاؤں کے آگے سجدہ ریز ہوتی ہوں۔ نہ ہی ان کے مالکان نے ان کو پرستش یا سجدہ کروانے کیلئے رکھا ہوتا ہے۔ چاہے ڈرائیور ہو، باورچی ہو، گھریلو خادم ہو یا کوئی مالی۔ انہیں صرف اسی لئے رکھا گیا ہوتا ہے کہ وہ اپنے مالک کے حکم پر لبیک کہیں۔ اور اس کی تعمیل کریں۔ نہ تو عبد کے معانی پرستش کرنے والا ہیں اور نہ ہی عبادت کے معنی پرستش کے ہیں۔

(شیطان کی عبادت کی قرآنی مثال)

ایک مثال ملاحظہ فرمائیں۔ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر یہ آیا ہے کہ

"یا بنی ادم ان لا تعبد الشیطان (36/60)۔

ترجمہ: اے بنی آدم شیطان کی عبادت نہ کرو۔

یہاں غور کریں۔ اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ کوئی قوم یا فرد واحد شیطان کو سجدے یا پرستش کر رہا تھا جس سے اللہ نے روک دیا۔ اس کے معانی صرف یہی ہیں کہ شیطان کی فرمانبرداری نہ کرو۔ اس کے بتائے ہوئے راستوں پر نہ چلو۔ اس کی حکومیت نہ اختیار کرو۔ لوگ شیطان کے سامنے سجدہ ریز تو نہیں ہیں نہ جس سے اللہ نے روک دیا ہے۔ لوگ تو محض شیطان کی باتوں کو مانتے ہیں اور اس کے راستوں پر چلتے ہیں جس سے اللہ نے ہٹانا چاہا ہے اور صرف اپنے راستے اور احکامات کی پابندی کا درس دیا ہے۔

اسی طرح فرعون اور حضرت موسیٰؑ میں جو مکالمہ ہوا تھا تو موسیٰ علیہ السلام نے یہی فرمایا تھا کہ "وتلک نعمۃ تمنھا علی ان عبدت بنی اسرائیل (26/22)۔

یعنی یہی احسان ہے جو آپ مجھ پر جتلا رہے ہیں کہ آپ نے بنی اسرائیل کو "عبدت" یعنی غلام بنا رکھا ہے۔

غور فرمائیں اس آیت پر۔فرعون نے بنی اسرائیل کو جو "عبید" بنایا تھا تو وہ ان سے اپنے آپ کو سجدے تو نہیں کروا رہا تھا نہ؟ وہ تو ان سے مشقت بھرے کام لیتا تھا۔ان سے عظیم الشان اہرام کی تعمیر بھی اسی نے کروائی۔

چنانچہ واضح ہوا کہ نوکر ہو یا غلام۔اسے مالک نے صرف اپنی فرمانبرداری وخدمت کے لئے رکھا ہوتا ہے۔یعنی کام کے لئے۔اس کے کچھ فرائض اسے ڈیوٹی کے پہلے روز بتا دئے جاتے ہیں جن کی اس نے تعمیل کرنی ہوتی ہے۔

اب اگر مالک اپنے نوکر کو حکم دے کہ جاؤ جا کر بازار سے سبزی لے آؤ۔چائے بنا دو۔یا پودوں کو پانی دے دو۔اور نوکر آگے سے کام کرنے کی بجائے مالک کے آگے سجدہ کر دے۔

مالک پھر کہے کہ جا کر بچوں کو سکول سے لے آؤ۔یا مجھے گاڑی میں دفتر چھوڑ کر آؤ۔اور نوکر پھر سے مالک کی بات ماننے اور کام کرنے کی بجائے رکوع اور سجدے میں چلا جائے۔تو مالک تو اسے سر پر جوتے مار کر کہے گا کہ تجھے میں نے جس کام کے لئے رکھا ہے تم وہ تو کر نہیں رہے البتہ سجدے پر سجدہ کئے جا رہے ہو۔تمہارا دماغ خراب ہے کیا؟اب مالک کیا کرے گا کہ یا تو اس نوکر کو کام پر مجبور کرے گا۔اگر پھر سے نوکر نے وہی پرستش جاری رکھی تو اسے مالک پھر نوکری سے نکال دے گا۔

پس اس مثال سے ہی سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم مسلمانوں کو بھی نوکری سے نکال دیا ہے اور غیروں اور اقوام مغرب کو ملازمت پر رکھ لیا ہے۔اور ہم نوکری سے نکل جانے کے باوجود بھی خام خیالی کی پرستش مالک کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔

ذرا مسلمانوں کی حالت پر تو نظر ڈالیں۔کیا ہم اسی نکمے ملازم (عبد) کی طرح نہیں جو اللہ کی محکومیت اور اس کے بتائے ہوئے کام کرنے کی بجائے خالی پرستش پر پرستش کئے چلے جا رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں بہترین عمل ہے انسان کے فائدہ کے لئے کام کرنا۔

(واما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض)(13/17)۔

ترجمہ: اور جو زمین پر انسانوں کے فائدہ کے لئے کام کرتا ہے اسے ہم زمین پر قیام (طاقت وغلبہ) عطا کرتے ہیں۔
انسانیت کو فائدہ پہنچانے کے معاملہ میں اس وقت مغربی اقوام سب سے آگے ہیں۔ پس ان کو اللہ تعالیٰ نے زمین پر طاقت عطا کر دی ہے اور مسلمانوں (نکمے عبد) کو تباہ و برباد کرتے رہنے پر مامور کر دیا ہے۔

کائنات کی ہر چیز عبادت میں مصروف ہے۔ یعنی اپنے اپنے فرائض سر انجام دے رہے ہیں۔ ستارے، سیارے، زمین چاند سورج، نظام شمسی، کائنات، کہکشائیں، چرند، پرند، جانور، دریا، سمندر، بادل، ہوائیں پودے، درخت وغیرہ سب کے سب عبادت میں مصروف ہیں۔ جس کا قرآن میں بھی ذکر ہے۔ کہ

"الم تر ان اللہ یسبح لہ من فی السموٰت والارض والطیر صٰفٰت کل قد علم صلاتہ وتسبیحہ، واللہ علیم بما یفعلون (24/41)

ترجمہ: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو کچھ آسمان وزمین میں ہے وہ اللہ کی تسبیح (فرائض کی تکمیل) میں مصروف ہیں۔ اور پر پھیلائے ہوئے چرند پرند اور جانور بھی اپنی اپنی صلوۃ اور تسبیح (تکمیل فرائض) میں مصروف ہیں۔

غور فرمائیں۔ اگر عبادت نماز کو ہی ہم کہیں تو پھر پرندے وضو کیسے کرتے ہیں اور منہ کس سمت کو کرتے ہونگے؟ اور کتنی رکعت پڑھتے ہونگے اور کن اوقات میں پڑھتے ہونگے؟ کیونکہ صلوۃ کیلئے تو اللہ نے قرآن کے اندر اوقات بھی متعین کر دئے ہیں، قبلہ بھی اور وضو بھی۔ تو پرندوں کی یہ نماز کیسے کہلائے گی کیونکہ نہ وہ قبلہ کے پابند ہیں، نہ وضو کے اور نہ اوقات کے۔

تو حقیقی مفہوم یہی ہے کہ تمام اجرام فلکی اور چرند پرند دراصل اپنے اپنے فرائض سر انجام دے رہے ہیں۔ یہی ان کی عبادت اور یہی ان کی صلوٰۃ ہے۔ سوائے انسان کے تمام تر مخلوقات میں ان کے فرائض کی "پروگرامنگ یا کوڈنگ" کر دی گئی ہے۔ اور وہ اس پروگرامنگ سے ہٹنے کے مختار نہیں۔

جیسے ایک کمپیوٹر سافٹ وئیر میں ہدایات کی شکل میں پروگرام شدہ سیٹ رکھ دیا ہوتا ہے۔ اور پروسیسر پھر انہی ہدایات کر ایک ایک کر کے Execute کرتا جاتا ہے۔ اور ان سے ہٹ کر کوئی کام نہیں کرتا۔ اسی طرح انسان کے علاوہ ہر

مخلوق کائنات میں اللہ نے ہدایات اور فرائض کی تکمیل کے لئے تیار شدہ ہدایات رکھ دی ہیں۔جن پر عمل پر وہ مجبور ہے۔مگر انسان مجبور نہیں۔فرائض انسان کو بھی اللہ نے قرآن کی اندر بتا دئے ہیں۔(نوع انسانی کو فائدہ پہنچانا)۔اب جو بھی یہ فرض سرانجام دے گا۔وہ صلوٰۃ کا فریضہ سرانجام دے رہا ہوگا۔اور وہی مصلی ومومن کہلائے گا نہ کہ خالی نمازیں روزے پر عمل درآمد کرنے والا"مسلمان"جس کی مثال اسی نافرمان نوکر کی ہوگی۔جس کا ذکر میں پہلے کر چکا ہوں۔

یہ ہے عبادت کا حقیقی تصور۔اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ایک اور جگہ عبادت کے تصور کو مزید واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"اور اہل ایمان کو حکومت اس لئے دی جائے گی کہ ان کے دین کا تمکن ہو سکے۔اور یہ اللہ اور اس کے نظام وقوانین کی فرمانبرداری و محکومیت اختیار کر سکیں۔اور اس کی محکومیت کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔(سورہ النور۔آیت 55)

اس آیت پر غور فرمائیں۔اگر عبادت سے مراد پرستش یا رسمی نماز ہوتو اس کے لئے اپنی حکومت کا ہونا تو ضروری نہیں ہوتا نہ؟پرستش تو ہر حکومت میں ہو سکتی ہے۔غلام قومیں بھی دوسروں کی محکومی کے ادوار میں بھی اپنے طور پر پرستش کیلئے آزاد ہوتی ہیں۔مگر فرق کیا ہے؟کہ وہ دوسروں کی محکومی میں رہتے ہوئے اللہ کے قوانین کا نفاذ نہیں کر سکتیں۔

اللہ کے قوانین کے نفاذ کے لئے اپنی حکومت ضروری ہے۔لہذا اللہ کی عبادت کے مفہوم سے مراد اللہ کے قوانین کی محکومیت اختیار کرنا اور ان کے مطابق زندگی بسر کرنا ہے۔

اب اللہ کے قوانین اور محکومیت اختیار کرنے سے کیا مقصد ہوتا ہے؟یہی کہ انسان کو اس دنیا ہی میں جنت جیسی خوشگوار زندگی نصیب ہو جائے۔اور اس کی ذات اور جسم کی نشوونما ہو سکے۔

پس قرآن کریم میں جہاں اللہ کی عبادت کا ذکر ہوگا۔وہاں اس کے معنی اللہ کے قوانین کی خوشی خوشی تعمیل اور اطاعت کرنا ہونگے۔اور جہاں طاغوت وشیطان کی عبادت کا ذکر ہوگا تو اس سے مراد انسان کے خود اپنے جذبات کی

اطاعت ہوگی۔یا دوسرے انسانوں کی اطاعت۔ان میں مسلط حکمرانوں کی اطاعت اور مذہبی پیشوائیت اور ملا کی عقیدت مندانہ اطاعت ہوگی۔

اور جہاں دیوی دیوتاؤں کی عبادت کا ذکر ہوگا۔وہاں ان کی تو ہم پرستانہ پرستش مراد ہوگی۔

جب ہم یہ کہتے ہیں کہ

''ہم تیری ہی عبادت کرتے اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں (سورہ فاتحہ)

تو اس کا مفہوم یہی ہوتا ہے کہ ہم اللہ کے قوانین اور کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔نہ کہ ہم اللہ کی پوجا پاٹ کرتے اور رسمی نماز اور رسمی دیگر عبادتیں کرتے ہیں۔کسی سے مدد بھی مانگی جاسکتی ہے جب اس کی بات مانی جائے۔جب کسی کی بات ہم مانتے ہی نہیں تو اس سے مدد کیسے مانگ سکتے ہیں؟اس عبادت سے مراد اللہ کے قوانین کے مطابق اپنی زندگی بسر کرنا ہے۔اس سے دنیا کی زندگی بھی خوشگوار گزرتی ہے اور اس کے نتیجے میں آپ کی آنیوالی نسلوں کا مستقبل (آخرت) بھی محفوظ ہوجاتا ہے۔

(اللہ کے قوانین کیمطابق زندگی بسر نہ کرنے والا کافر ہے) اور جو لوگ اللہ کے ان قرآنی قوانین کے مطابق زندگی بسر نہیں کرتے بلکہ اس رسمی نماز،روزہ،رسمی زیارت(حج)،اور رسمی بھیک(مروجہ زکوۃ) کو ہی اسلام سمجھتے ہیں تو وہ تمام لوگ اس آیت کریمہ کی رو سے کافر قرار پاتے ہیں۔

''اور جن کا نظام زندگی اور نظام حکومت اللہ کے نازل کردہ قرآنی احکامات کے مطابق نہیں ہوگا تو وہی لوگ کافر ہیں''

(سورہ المائدہ آیت 44)

اب دیکھیں۔افسوس کا مقام ہے کہ جو لوگ بنیادی طور پر ہی کافر قرار پاگئے تو ان کی مصنوعی عبادات (نماز،روزہ،حج وغیرہ) یا اسی طرح کے دیگر پوجا پاٹ کی کیا اہمیت باقی رہ گئی؟ان کے یہ سب کے سب مصنوعی اور غیر قرآنی اعمال ضائع ہوجائیں گے۔

''حبطت اعمالھم فی الدنیاوالاخرۃ(سورہ البقرہ آیت 217)

مفہوم:ان کے اعمال دنیااورآخرت دونوں میں ضائع ہوجاتے ہیں۔

اس آیت سے ہی قوانین قرآنی اوراطاعت الٰہی کے دنیامیں ہی نتیجہ خیز ہونے کاثبوت بھی ملتاہے۔کہ''ان کے اعمال دنیااورآخرت میں ضائع ہوجائیں گے''۔یعنی اگرحقیقی مفہوم کے مطابق اللہ کےقوانین قرآنی کی اطاعت کی جائے اوراپنی زندگی فلاح انسانیت کے قرآنی اصولوں پرگزاری جائےتوان تمام عبادات(صلوٰۃ،صوم،حج،زکوٰۃاورجہاد)کانتیجہ دنیامیں ہی برآمدہوتاہے۔اورہمارے رسمی اسلام پرنظرڈال لیں۔یہ کیانتیجہ پیداکررہاہے؟کچھ بھی نہیں۔اس لئے کہ یہ اسلام ہےہی نہیں۔

(اللہ بے نیازہے۔اسے کسی کی رسمی پرستش کی کوئی ضرورت ہی نہیں)

اللہ کے بارے میں مسلمانوں نے نہ جانے کیوں یہ عقیدہ بناڈالاہے کہ اسے ہمارے رسمی سجدہ،رکوع،نمازوغیرہ کی کوئی ضرورت ہے۔حالانکہ ایساتصورانسان کے اندراس کے بت پرستی کےادوارکادیاہواہے۔اللہ کےبارے میں ایساکوئی تصورقائم کرنانہایت گستاخی اورتوہین الٰہی ہے۔

اللہ تعالیٰ اس قدربلنداوراعلیٰ وبے نیازہستی ہے کہ اسے اس بات کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں کہ کوئی اس کی تعریف کرے،اس کے آگے سجدہ کرے،رسمی نمازسے اس کوخوش کرنے کی کوشش کرےیاپوجاپاٹ جیسی کوئی بھی دیگر''عبادت''کرے۔پوجاپاٹ جیسی رسمی عبادت کاتصورتوانسان میں اس وقت پیداہواتھاجب اس نے غاروں سے نکل کرتمدنی اورمہذب زندگی بسرکرنی شروع کی تھی۔اس ابتدائی ادوارمیں انسانی شعورناپختہ تھا۔انسان اس وقت کائناتی قوتوں کونہیں سمجھ سکتاتھا۔

جب وہ سورج جیسی عظیم شے کودیکھتاتھاتواسکی حرارت اورروشنی کومحسوس کرتاتواسے کوئی دیوتاسمجھ کراس کے آگے جھک جاتا۔آج کے دورمیں بھی بعض پسماندہ اقوام سورج کی پوجاکرتی نظرآتی ہیں۔بلکہ جوترقی یافتہ اقوام ہیں وہ بھی

اپنے اسلاف کی سورج پرستی سے جان مکمل طور پر نہیں چھڑا سکیں۔اور آج بھی کسی نہ کسی شکل میں سورج کی پوجا میں مصروف ہیں۔

جب کوئی زلزلہ آتا تو اس دور کا انسان ڈر جاتا۔سمجھتا کہ یہ بھی کوئی بڑا دیوتا ہے۔جس کی ہیبت سے زمین کانپ رہی ہے۔تو اس کے آگے بھی جھک جاتا۔

جب زمین پر پڑے کچھ پتھروں کی رگڑ سے آگ نکلتی جو آس پاس کی سوکھی گھاس لکڑیوں کو لگ جاتی اور پھیل کر اس انسان کی جھونپڑیوں کو بھی لپیٹ میں لے لیتی تو یہ انسان سمجھتا کہ شائد آگ بھی کوئی دیوتا ہے۔لہذا آگ کی پوجا ہونے لگ جاتی۔جو آج بھی کئی ممالک میں ہو رہی ہے۔

اس دور میں اگر دریا کنارے آبادکسی آبادی پر دریائی سیلاب ابل پڑتا اور انسانی بستیوں کا نقصان ہوتا تو اس دور کے انسان سمجھتے کہ شائد دیوتا ان کی کسی غلطی کی وجہ سے ناراض ہو گیا ہے۔پھر وہ دریا کی پوجا کرنے لگ جاتے۔چنانچہ موجودہ دور میں بھی ہندو مذہب میں آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی دریاؤں کی پوجا ہو رہی ہے۔

(مولوی اور مذہبی پیشوائیت کا آغاز)

چنانچہ اس ابتدائی دور میں لوگوں کی توہم پرستیوں کو بھانپ کر انہی انسانوں میں سے ایک چالاک طبقہ وجود میں آ گیا۔یہ لوگ کچھ منتروں پر مشتمل الفاظ لوگوں کو سکھاتے اور دیوتاؤں کو راضی کرنے کیلئے ان کی عبادت اور پوجا پاٹ کرنے کے طریقے بتلانے لگے۔ان چالاک لوگوں نے اپنے آپ کو دیوتاؤں کا نمائندہ اور نائب مشہور کر دیا۔جس سے لوگ ان کی خدمت کو بھی عبادت کا حصہ سمجھنے لگے۔چنانچہ یہ مفاد پرست طبقہ اور مفت خورے مسلسل اس کوشش میں لگے رہے کہ سادہ لوح عوام ان کے چنگل سے نکلنے نہ پائیں۔یہیں سے ملائیت اور مذہبی پیشوائیت کی ابتدا ہوئی۔اور یہ طبقہ ہر مذہب میں پیدا ہوا۔

پھر دور مزید آگے چلا تو اللہ تعالی نے انسان کو وحی کے ذریعے رہنمائی دینی شروع کی اور ایک مکمل نظام حیات اپنے انبیا

کے ذریعے دینا شروع کیا۔تمام انبیا اپنے اپنے ادوار میں اس نظام کو عملی طور پر قائم کرانے ،انسانی زندگی کو ترقی و خوشگواری کی منازل طے کرانے میں کوشاں رہے۔لیکن انسان کی بدنصیبی سے معاشرہ میں ایک مفت خور استحصالی طبقہ پیدا ہوگیا۔ جسے قرآن کریم کے اندر مترفین کا طبقہ کہا گیا ہے۔یعنی دوسروں کی محنت پر عیش کرنے والے لوگ (حکمران ،سرمایہ دار، جاگیردار)۔اس طبقہ کے لوگ اپنی مذہبی پیشوائیت اور ملائیت کے ساتھ مل کر اللہ کے وحی کے ذریعے دیے ہوئے انسانی فلاحی نظام کو روکنے کی کوششیں کرتے۔یہ طبقہ ہر دور میں کوشاں رہا کہ محنت تو دوسرے کریں اور یہ بیٹھ کر ان کی محنت پر عیش کریں۔اور ان محنت کشوں پر الٹا حکم بھی چلائیں۔لیکن ان کی مخالفت کے باوجود جب اللہ کے نبی اللہ کا دیا ہوا انسانی فلاحی نظام قائم کرنے میں کامیاب ہوجاتے تو مترفین کا یہ طبقہ اور مالدار لوگ اور حکمران مذہبی پیشوائیت کے ساتھ گٹھ جوڑ کر کے اور سازشوں کے تحت اللہ تعالیٰ کے دئے ہوئے نظام کے خلاف سازشوں میں مصروف ہوجاتے۔اور جب نبی وفات پا جاتے تو یہ مکار لوگ اللہ کے نبی کے دئے ہوئے نظام کے ''وارث'' بن بیٹھتے۔اور پھر اللہ کی کتاب میں اپنے مطلب کی باتیں شامل کر کے اسے اپنی مرضی کا بنا لیتے۔اور اس طرح آہستہ آہستہ اللہ کا دیا ہوا فلاحی نظام غیر محسوس طور پر ختم ہوجاتا اور اس کی جگہ ظالمانہ استحصالی نظام لے لیتا۔پھر سادہ لوح عوام کو دھوکہ دینے کے لئے کچھ فرسودہ رسوم اور بے معنی پرستش نما عبادتوں کا مذہب تشکیل دیا جاتا۔اور اسے اللہ کے نبی کے نام سے پیش کر دیتے۔اور اللہ کی پرستش اور پوجا پاٹ شروع کرا کے اللہ جیسی عظیم ہستی کو دیوتاؤں کی سطح پر لے آتے۔اور اسے ''راضی'' کرنے کے لئے دیوتاؤں اور بتوں کی طرز پر کچھ بے معنی رسوم کی ادائگی کا نام اللہ کی عبادت رکھ لیا جاتا۔اور عوام کو اس کی دن رات مشق کرنے کی صورت میں اذیت میں پھنسا دیا جاتا۔اور خود عیش وعشرت اور عوام کی لوٹ مار میں مصروف ہوجاتے۔اس کے بارے میں اللہ نے سورہ النحل میں فرما دیا کہ:

''یہ لوگ جو تصورات اللہ کے بارے میں پیش کرتے ہیں وہ اس قدر گھٹیا ہیں کہ ان کو خود اپنے لئے بھی پسند نہیں''

بہر حال۔ اسکے بعد اللہ اپنا کوئی دوسرا نبی بھیجتے۔ اور پھر کتاب نازل کرتے اور انسانی فلاحی نظام کو ایک بار پھر عوام میں قائم کیا جاتا۔ مگر استحصالی ظالم قوتیں اور مذہبی پیشوائیت پھر اپنے روایتی مخصوص طریقہ (کتاب میں تحریف) سے اس نظام کو ختم کر ڈالتیں۔ یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا۔ اور سارے مذاہب کی کتب انہوں نے تبدیل کر کے اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا نظام پوجا پاٹ اور پرستشوں میں تبدیل کر کے دین سے مذہب بنا ڈالا۔

اب اللہ کے نبی آخر الزماں ﷺ کا دور با سعادت آ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی حسب سابق اللہ کی نازل شدہ کتاب قرآن کے مطابق ایک انسانی فلاحی نظام قائم کرنا چاہا۔ استحصالی قوتیں ایک بار پھر نمودار ہوئیں۔ انہوں نے پہلے روایتی طاقت استعمال کی کہ کتاب اللہ کو تبدیل کر دیا جائے۔ مگر اس بار اللہ ان کی پچھلی حرکتوں سے خوب آگاہ تھا۔ اس لئے اللہ نے اس بار کتاب اللہ کی حفاظت کا ذمہ اپنے سر لیا۔ چنانچہ یہ مذہبی پیشوائیت اور استحصالی عناصر قرآن میں تحریف کرنے میں ناکام ہو گئے۔ پھر انہوں نے نہایت سوچ بچار کے بعد ایک اور ہتھکنڈہ اپنایا۔ ایک خطرناک سازش تیار کی جس کے تحت اسلام کے اندر داخل ہو کر اس کی جڑیں کاٹنے میں مصروف ہو گئے۔

(حدیث رسول کے نام سے شر پھیلانے کی سازش رسول اللہ کے دور میں ہی شروع ہو گئی تھی)

اللہ نے اس سازش کی خبر سورہ المائدہ میں اپنے نبی ﷺ کو خود دے دی تھی۔

"اے رسول ان مخالفین کے رویے سے رنجیدہ نہ ہونا۔ جو اللہ کے نظام وقوانین کے خلاف عمل کرنے میں تیز تر ہیں۔ یہ خواہ منافق ہوں جو زبان سے تو اللہ کے نظام وقوانین کو قبول کرتے ہیں۔ لیکن دل سے اس نظام کو قبول نہیں کرتے اور خواہ یہودی ہوں۔ یہ سب ایک سازش کے تحت تمہاری باتیں سننے آتے ہیں۔ تا کہ ان میں جھوٹ کی ملاوٹ کر کے تمہارے نام پر مشہور کر سکیں۔ یہ کیسی سازش ہے جو کسی دوسری طاقت کی طرف سے ہے جو خود پیچھے رہ کر سازشوں کے تانے بانے بنتی ہے۔ یہ لوگ تمہاری باتوں میں جھوٹ ملا کر آگے پھیلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ارشادات رسول ﷺ ہیں۔ جو کچھ ان کے مطابق ہوا ہے اسے قبول کر لو اور جو کچھ اس کے خلاف ہو اس سے انکار کر

دو۔" (سورہ المائدہ۔آیت 41)

یہ آیت ظاہر کر رہی ہے کہ وضع حدیث کی سازش رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ہو شروع ہو گئی تھی۔ابتداء میں اس کے اندر مقامی مترفین یعنی عرب قبائل کے سردار اور دیگر مالدار لوگ شامل تھے۔پھر اس دور کی دو بڑی سپر پاورز ایران اور روم بھی اس سازش میں شامل ہو گئیں۔

ان سازشیوں نے اپنے اندر سے انتہائی چالاک اور فہیم لوگوں کو اس کام کے لئے منتخب کیا کہ وہ ظاہری طور پر مسلمان ہو کر مسلمانوں میں شامل ہو جائیں۔اور اندر جا کر ان کی جڑیں کاٹیں۔چنانچہ یہ لوگ منافقین کی شکل میں اندر ہی اندر قوت پکڑتے چلے گئے۔ان کا پکڑا جانا آسان نہ تھا۔چنانچہ یہ اندر ہی اندر طاقت پکڑتے گئے اور ایرانیوں نے بعد میں ان کی سپورٹ شروع کی اور ان کے ساتھ شامل ہو کر خلیفہ دوم فاروق اعظمؓ، عثمان غنیؓ کو شہید کروایا۔پھر حضرت علی کو ورغلا کر کوفہ لیجانا اور پھر ان کا بھی قتل، پھر حضرت حسینؓ کو امیر یزیدؒ کے خلاف ورغلا کر ان کو بغاوت پر اکسانا اور پھر ان کا بھی ساتھیوں اور اہل خانہ سمیت قتل یہ سب ان منافقین کی کارستانیاں تھیں جن کے ساتھ بعد میں ایران و روم شامل ہو چکے تھے۔

خلافت راشدہ میں تو ان کو کھل کھیلنے کا موقع نہ مل سکا۔مگر خلافت کے بعد ملوکیت آجانے کی وجہ سے یہ عناصر مزید طاقتور ہو گئے اور آہستہ آہستہ اقتدار میں شامل ہوتے چلے گئے۔پھر خلافت بنو امیہ کے بعد اقتدار اسلام مکمل طور پر ان سازشی عناصر کے ہاتھوں میں چلا گیا۔اقتدار پر قبضہ جمانے کے لئے انہوں نے خود کو اسلام کا وارث اور نبی ﷺ کا جانشین ظاہر کیا۔نبی اکرم ﷺ کا نام لے کر ایک خود ساختہ مذہب تشکیل دیا۔اور عوام کو اللہ کے دیئے ہوئے انسانی فلاحی نظام سے ہٹا کر اس خود ساختہ مذہب کے چکروں (نماز، روزہ، بے روح حج اور بھیک نماز کوۃ وغیرہ جیسی بے روح رسموں) میں الجھا دیا۔یہی وہ دور تھا جب اسلام کا عظیم الشان نظام صلوٰۃ ختم کر دیا گیا اور اس کی جگہ رسمی بے روح نماز نے لے لی۔پھر نبی اکرم کے قائم کردہ انسانی فلاحی نظام کو ختم کر کے لوٹ مار کا استحصالی نظام پھر سے قائم کر

دیا گیا۔غلاموں کی منڈیاں پھر سے قائم کردی گئیں۔اور پھر ایسا ہوا کہ ان سازشیوں نے ایک دوسرے سے مل کر تاریخ کو بھی توڑ مروڑ کر اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنا شروع کردیا۔

سازشیوں کی بدولت اس امت کا حشر بھی وہی ہوا جو سابقہ امتوں کا ہوتا تھا۔سابقہ قوموں میں سازشی عناصر کتاب اللہ کو ہی تبدیل کر ڈالتے تھے۔مگر اس امت کے قرآن کا چونکہ وعدہ حفاظت منجانب اللہ تھا۔اس لئے وہ اس کتاب کو تو تبدیل نہ کرسکے۔مگر انہوں نے دوسرا طریقہ اپنایا۔کہ رسول اللہ کے اقوال و حدیث کے نام سے جھوٹی روایات بنا بنا کر اسلامی تاریخ کا دھارا ہی موڑ دیا۔اور دین کو مذہب بنا کر رکھ دیا۔اور قرآنی تفسیر،حدیث،روایات،تاریخ کے نام پر قرآن کی شفاف تعلیمات میں ملاوٹ کی۔اور عوام الناس کو قرآن کے انسانی فلاحی نظام سے محروم کر کے ان کو چند بے روح رسموں (نمازوں،روزوں،رسمی حج،رسمی زکوۃ وغیرہ) میں الجھا دیا اور خود تمام وسائل و رزق پر قبضہ جما کر عیش وعشرت میں مشغول ہوگئے۔اور اس کے بعد آج تک ایسا ہوتا آرہا ہے۔اس کے بعد اب تک جو کچھ اسلام کے نام پر کیا جاتا رہا ہے اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔اس پورے عالم اسلام پر نظر ڈالیں۔تمام اسلامی ممالک میں بدترین ظالمانہ اور استحصالی نظام قائم ہے۔مسلمان بھوکے مر رہے ہیں اور کوئی پوچھنے والا نہیں۔اور اسی پر بس نہیں ۔مسلمان دنیا کی دیگر اقوام کے مقابلہ میں سب سے پیچھے اور سب سے بڑھ کر جاہل،بددیانت اور دہشت گرد مشہور ہیں۔حالانکہ سورہ آل عمران میں تو اللہ نے ارشاد فرمایا تھا کہ:

"دنیا بھر میں تم ہی اعلیٰ اور غالب ہوگے اگر تم اہل ایمان رہے تو"

مگر شرط یہ ہے کہ قرآن کے اندر موجود نظام حیات کو اپنے ہاں لاگو کر کے انسان کی فلاح و بہبود کے اقدامات کرتا ہوگے۔

اب ہم صرف نام کے مسلمان رہ گئے ہیں جو نظام صلوۃ قائم نہیں کرتے بلکہ رسمی پرستش نما نمازیں پڑھتے ہیں۔قرآن کے حکم "قل العفو" پر عمل کرتے ہوئے ضرورت سے زیادہ سب اللہ کی راہ میں معاشرہ کے ضرورت مندوں کو نہیں

دیتے بلکہ اڑھائی فیصد سالانہ بھیک دے کر اس حکم زکوۃ سے اپنے طور پر بری الزمہ ہوجاتے ہیں۔حقیقی صوم کی پریکٹس نہیں کرتے بلکہ ہندوؤں کی طرح رسمی برت (فاقہ) کرتے ہیں۔نوع انسانی کی فلاح بہبود کے لئے ہمارے پاس خلافت علی منہاج النبوۃ نام کی کوئی چیز تو ہے نہیں البتہ سال میں ایک بار رسمی زیارات کے لئے حج کے نام پر مکہ ضرور روانہ ہوجاتے ہیں۔اورصرف دہشت گردی اور لڑائی بدمعاشی کو جہاد قرار دئے ہوئے ہیں۔اوراس کے وسیع معانی کو بھول گئے ہیں۔

پس ان تمام رسوم جنہیں ہم غلطی سے اپنے طور پر "عبادت" سمجھتے ہیں یہ فرسودہ رسوم ہیں جنہیں ہمارے دورملوکیت میں سازشی عناصر نے تیار کر کے ہمیں اللہ کو "خوش" کرنے اور راضی رکھنے پر لگادیا تھا۔یہ عبادت نہیں۔

عبادت کو میں پیچھے کی سطور میں واضح کر آیا ہوں کہ اللہ کی عبادت یہ ہے کہ اللہ کے نظام وقوانین جو قرآن کے اندر موجود ہیں ان کے مطابق زندگی گزاری جائے۔اورزندگی کے ہر کام کواور پروگرام کواللہ کے قوانین کے مطابق بسر کیا جائے۔اورانسانی معاشرہ کے دکھ درد دور کیے جائیں۔حقیقی نظام صلوۃ قائم کر کے قانون کی حکمرانی قائم کی جائے۔ اپنی ضرورت سے زیادہ ہر چیز ضرورت مندوں کو دے دی جائے۔صوم کے ذریعے سال میں ایک بار مشکل اور جنگی حالات کی مشق کی جائے۔اورنفس کوکنٹرول کرنا سیکھا جائے۔اورخلافت قائم کر کے مسلمانوں سمیت تمام انسانیت کی فلاح و بہبود کے منصوبے تشکیل دینے کے لئے سال میں ایک بار مکہ میں مسلمانوں کے جملہ حکمرانوں کا اجلاس (حج) منعقد کیا جائے۔جس میں فلاح کے نت نئے اور جدید منصوبے تشکیل دیے جائیں اور امت کی مشکلات کو دور کرنے کی تدابیر سوچی جائیں۔زندگی کے ہر شعبہ میں جہد مسلسل کے ذریعے اللہ کے نظام کی حکمرانی عام کرنے سے جہاد کا فریضہ پورا کیا جائے۔یہ ہے وہ حقیقی عبادت جس کے کرنے سے اللہ کے وعدہ کے مطابق انسان کی زندگی دنیا میں ہی جنت کی طرح خوشگوار بن سکتی ہے اورآخرت میں بھی۔

باب دوم: قرآن کے اندر عبادت کے ہمیشہ نتیجہ خیز ہونے کی خوشخبری

قرآن کے اندر عبادت کے دنیا میں ہی نتیجہ خیزی کو اللہ نے واضح طور پر بتلا دیا ہے۔ کہ ہم اگر یہ جاننا چاہیں کہ ہم اللہ کی عبادت کر رہے ہیں بندگی کر رہے ہیں تو ہمیں دیکھ لینا چاہیے کہ آیا کہ ہماری عبادت وہ نتیجہ دے رہی ہے جو قرآن کے اندر بتلا دیا گیا ہے؟ اگر ایسا ہے تو پھر خوش نصیبی لیکن اگر ایسا نہیں ہے اور دنیا کے اندر ہماری عبادات کا کوئی نتیجہ برامد نہیں ہو رہا نہ معاشرتی زندگی میں سب کے لئے خوشگواریاں آرہی ہیں تو جان لیں کہ ہم اللہ کی عبادت نہیں کر رہے۔ اور ہمیں اصلاح کی ضرورت ہے۔ مثال کے طور پر مندرجہ ذیل آیت الٰہی ملاحظہ فرمائیں:

"اہل ایمان کے سامنے اللہ کے قوانین مسلسل لاتے رہو۔ یہ طریقہ ان کے لیے بہت مفید ہوگا۔ دیکھو انسانی تخلیق کا مقصد اسی طرح پورا ہو سکتا ہے کہ غیر ترقی یافتہ قومیں بھی اور ترقی یافتہ مہذب اقوام بھی۔ سب اللہ کے نظام و قوانین کی اطاعت کریں (لیعبدون)۔

اور یاد رکھو۔ اس نظام کی تشکیل سے اللہ کا اپنا کوئی ذاتی مفاد وابستہ نہیں ہے۔ اللہ کو نہ تو اپنے لئے کوئی سامان زندگی چاہیے۔ نہ ہی سامان خورد و نوش۔ وہ تو خود ساری مخلوق کو سامان رزق مہیا کرتا ہے۔ اور بڑی محکم قوتوں کا مالک ہے۔" (سورہ الذاریات آیت 55 تا 58)

اس آیت میں غور فرمائیں۔ اللہ نے اس نظام (عبادت) کی تشکیل کا حکم دے کر یہ فرمایا ہے کہ اس نظام کے فائدے (سامان خورد و نوش اور سامان زندگی) اپنے لئے نہیں لینا۔ بلکہ تمہیں یہ سب ان ساتھی انسانوں کو مہیا کرنا ہے۔ یعنی اس نظام (عبادت) کے نتائج تمام انسانوں کے لئے ضروری سامان زندگی فراہم کرنا اور سامان خورد و نوش مہیا کرنا ہیں جو کہ اسی دنیا کے اندر مرتب ہوتے ہیں۔

نظام صلوٰۃ کے دنیا کے اندر نتیجہ خیز ہونے کی بابت اللہ کی طرف سے ایک مثال دے کر مزید آسان وضاحت

اللہ تعالیٰ نے ایک اور آیت مبارکہ میں اس نظام (نظام صلوٰۃ) کی نتیجہ خیزی کو سمجھا ڈالا ہے۔

"کیا تم میں سے کوئی ایسے حالات پسند کرے گا کہ (مثلاً) اس کے پاس ایک باغ ہو۔ کھجوروں اور انگوروں سے لدا ہوا۔ اور اس کی سیرابی کے لیے پانی کا وافر انتظام ہو۔ جس سے باغ میں ہر طرح کا پھل کثرت سے آتا ہو۔ اور اس پر اس خاندان کی گزر بسر ہو۔ پھر جب باغبان بوڑھا ہو جائے اور اس کے بچے بھی ابھی چھوٹے ہوں۔ کہ ایسے میں ایک تیز گرم آندھی کا بگولا اٹھے اور باغ کو تباہ و برباد کر دے۔ (تو کیا بیتے گی اس خاندان پر؟)

دیکھو اللہ ایسے اندازی مثالیں اس لیے پیش کرتا ہے کہ غور کرو تم (کہ ایسے حالات میں اگر افراد کو نظام صلوٰۃ کا تحفظ حاصل نہ ہو تو غور کرو کہ ان کا حشر کیا ہو گا۔ (سورہ البقرہ۔ آیت 266)

"سوائے لوگو۔ جنہوں نے اللہ پر ایمان لا کر اس کے نظام کو قبول کیا ہے۔ تم اپنی کمائی کا بہترین حصہ اللہ کے اس فلاحی نظام کے حوالے کر دیا کرو۔ اس میں سے جو تم صنعت و تجارت سے کماتے ہو۔ اور اس میں سے بھی جو تم زمین سے کماتے ہو۔ اور کبھی بھولے سے بھی ایسا نہ کرنا کہ اس مد میں سے حقیر سا حصہ بطور بھیک کے دے دو۔ جو تمہیں خود بھی لینا پسند نہیں۔ اگر تم نے اس معاملہ کو اہمیت نہ دی تو جان لو کہ یہ نظام تمہارے ہی فائدہ کے لیے قائم کیا جا رہا ہے۔ ورنہ اللہ کو اپنے لیے کچھ نہیں چاہیے۔ وہ تو سب سے بے نیاز اور ہر طرح کی تعریف کا حقدار ہے۔ (سورہ البقرہ آیت 169-168)

(اللہ کی طرف سے لفظ "حکمت" کے استعمال سے عبادت کے دنیاوی نتائج کی خوشخبری)

اللہ تعالیٰ نے قرآن کو ایک کتاب کہہ کر بلایا ہے اور اس کے ساتھ حکمت کا بھی نزول بیان کیا ہے۔ یعنی قرآن مجید میں کتاب اور حکمت دونوں کو نازل کر کے اللہ نے عبادت کے دنیا کے اندر ہی نتائج برآمد ہونے کی بہت واضح حقیقت بیان فرمائی ہے۔ ارشاد الہی ہے کہ

"اللہ نے تمہاری طرف کتاب اور حکمت کو نازل کیا" (4-113)

پھر فرمایا کہ قوانین الٰہی کی پیروی کرنے کا نتیجہ معاشرہ میں خوف و پریشانی کے ختم ہو جانے کی صورت میں برآمد ہوگا۔

یعنی اللہ کی ہدایت نازل کرنے کی حکمت یہ ہے کہ:

"اس سے معاشرہ میں کسی قسم کا خوف اور پریشانی باقی نہیں رہے گی"

اسی طرح صلوٰۃ کی حکمت یہ بیان کی کہ:

"بے شک صلوٰۃ فحاشی (کنجوسی) اور برائیوں سے باز رکھتی ہے۔" (القرآن)

ایک جگہ "اللہ کی مدد کرنے" کی حکمت یہ بیان کی کہ وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدموں کو دنیا میں جمادے گا۔

کتاب کے معنی قانون ہیں اور حکمت کے معنی اس قانون پر عمل کا نتیجہ۔ یہ اس قانون کی وجہ۔ قانون کا مطلب ہے کہ "یہ کرو"۔ حکمت کا مطلب ہے کہ "یہ ہو جائیگا"۔ یعنی کتاب و حکمت کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ کرو تا کہ یہ ہو جائے۔ بالفاظ دیگر اللہ کے قرآن میں بیان کردہ عبادات و صلوٰۃ سمیت تمام احکام کے کچھ نتائج ہیں جنہیں اللہ نے قرآن میں حکمت کہہ کر پکارا ہے۔ صلوٰۃ کے نتائج معاشرہ میں معاشی خوشگواری، غربت کا خاتمہ، امیر غریب کا فرق، نفسیاتی محرومیاں اور امیر غریب کی دلی دوریوں کو ختم کرنا اور اس مقصد کے لئے کنجوسی اور ذخیرہ اندوزی اور دولت جمع رکھنے کو ختم کر کے دولت کی مساوی تقسیم اور سب کی ضروریات پوری کرنا اور برائیوں اور لاقانونیت سے باز رکھنا بیان کی گئی ہے۔

قرآن میں اللہ نے جہاں قوانین بیان کیے ہیں وہاں ان کے نتائج بھی خود ہی بیان کر دیے ہیں تا کہ ہم ہر دور میں ہر قدم پر جائزہ لیتے رہیں کہ آیا کہ ہماری عبادات الٰہی موثر اور درست ہے بھی یا نہیں؟ اگر عبادت کے قرآنی نتائج برآمد ہو رہے ہوں تو سمجھ لیجئے کہ اللہ کی عبادت درست انداز میں ہو رہی ہے۔ اگر عبادت کے کوئی نتائج نہیں برآمد ہو رہے تو جان لیجیے کہ آپ کی عبادت درست نہیں۔ اور اس میں اصلاح کی ضرورت ہے۔

صلوٰۃ کے برائی اور فحشاء (بخل) سے روکنے والے نتیجہ کی وضاحت

سورہ العنکبوت میں اللہ نے ایک معیار یا ترازو پیش کر دیا ہے جس پر آپ اپنی صلوٰۃ کو (معاشرتی فلاحی نظام) کو پرکھ سکتے ہیں کہ آیا آپ صلوٰۃ پر عمل کر بھی رہے ہیں یا نہیں۔

"بیشک صلوٰۃ (انسانی معاشرہ اور زندگی سے) برائیوں اور بے حیائی کو روک دیتی ہے"۔ (سورہ العنکبوت آیت 45)

مندرجہ بالا آیت میں صلوٰۃ کے نتیجہ کا بتایا گیا ہے کہ یہ جملہ معاشرتی برائیوں اور فحشاء کو روک دیتی ہے۔ اب یہ لفظ فحشاء کیا ہے؟ عموماً اس کا مطلب بے حیائی سے ہی لیا جاتا ہے۔ مگر قرآن جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ عربوں کی زبان اور ان کے مقامی محاوروں کے مطابق اترا تھا اس لیے ہمیں اس لفظ فحشاء کے مفہوم کے لیے اس دور کے عرب معاشرہ کے رواج سے بھی مدد لینا ہوگی۔

اہل علم حضرات جانتے ہیں کہ عربوں کے ہاں سخاوت کو انتہائی فضیلت حاصل تھی۔ یہ لوگ حد درجہ مہمان نواز، حاجیوں کو پانی پلانے والے اور سخی واقع ہوئے تھے۔ اس لیے بخل یعنی کنجوسی کرتے ہوئے دوسروں سے بے پرواہ ہو کر اپنے لیے دولت سمیٹنا ان کے ہاں حد درجہ قابل نفرت برائی تھی۔ اور اسی لحاظ سے وہ بخل اور کنجوسی کو بے حیائی سے تعبیر کرتے تھے۔ قرآن میں بھی اس لفظ کو ان معانی میں استعمال کیا گیا ہے۔ نیز مال و دولت کے نجی ہاتھوں میں جمع ہونے کو بھی فحشاء ہی کہا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ کا پیش کردہ نظام فلاح قائم کرنے کے لیے اپنی کمائی کا بہترین حصہ دے دینے کی تاکید کرتے ہوئے سورہ البقرہ میں اللہ فرماتا ہے کہ:

"دیکھو تمہارے مفاد پرستانہ جذبات (شیطان) تمہیں مفلسی اور برے حالات سے ڈرائیں گے اور دوسروں سے بے نیاز ہو کر اپنے لیے دولت جمع کرنے جیسی بے حیائی کی ترغیب دیں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے نظام کے ذریعے ہر طرح کے تحفظ اور خوشحالی کی ضمانت دیتا ہے"۔ (سورہ البقرہ۔ آیت 268)

یعنی دوسروں کی پرواہ کیے بغیر اپنے لیے دولت سمیٹتے چلے جانا۔ بینک بیلنس بڑھاتے چلے جانا۔ دولت کا ارتکاز کرنا

ایک ایسا عمل ہے جسے اللہ نے فحاشی اور بے حیائی قرار دیا ہے۔اور ہمارا موجودہ سرمایہ داری نظام ہمیں صرف ارتکاز دولت کی تلقین ہی کرتا ہے۔جبکہ قرآن کا پیش کردہ معاشی نظام عظیم تر انداز میں ارتکاز دولت کی حوصلہ شکنی کرتے ہوئے "قل العفو" کے تحت اپنی دولت کے منہ غریبوں کے لیے کھول دینے کا حکم دیتے ہوئے کہتا ہے کہ اپنی ضرورت کے تحت جو کچھ چاہیے رکھو اور باقی سب کچھ معاشرہ کے غریب اور لاچار افراد کو دے دو۔تاکہ معاشرہ میں امیر غریب کے فرق کو مٹایا جا سکے۔اور طبقاتی نفرتیں ختم ہوں اور سب انسان ایک دوسرے کے کام آئیں اور اسی وجہ سے ان میں آپس میں محبت قائم رہے۔یہ ہیں عبادت کے وہ نتائج جن کی اللہ نے یقین دہانی کرائی ہے۔

لفظ فحشاء کے معنی بخل و کنجوسی ہونے سے متعلق مزید قرآنی الفاظ (فحشاء) سے وضاحتیں۔

"اللہ حکم دیتا ہے کہ سب کے ساتھ عدل کرو۔اور اسے اس کا پورا پورا حق دو جس کی کمائی سے اس کی ضروریات پوری نہ ہو رہی ہوں۔اس کی کمی کو پورا کرو۔اور دوسرے ضرورت مندوں، ہمسایوں اور غریب رشتہ داروں کی مدد کیلئے اپنی ضرورت سے زائد مال دے دو۔اور اللہ روکتا ہے ہر اس نظام سے جو مفاد پرستی اور بخل (لفظ فحشاء کا استعمال آیت میں موجود ہے۔) جیسی برائی کی بنیاد بنتا ہو۔ظلم اور زیادتی اور حد سے بڑھ جانے کی ترغیب دیتا ہو۔یہ اخلاقی اقدار اسی لیے بیان کی گئی ہیں کہ تم انسانی زندگی کے بلند ترین مقاصد کو ہمیشہ سامنے رکھو۔(سورہ النحل۔آیت 90)

"اے بنی نوع انسان تم دنیا میں جائز اور خوشگوار انداز سے روزی کماؤ۔اور اس سلسلہ میں معاشرہ کے مفاد پرست عناصر کے پیچھے مت لگ جانا۔یہ مفاد پرست عناصر تمہارے کھلے دشمن ہیں۔یہ عناصر ایسے قوانین بناتے ہیں کہ معاشرہ میں ناہمواریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔اور لوگ بخل (یعنی دوسروں سے بے نیاز ہو کر) کے ذریعہ اپنی دولت سمیٹنے جیسی بے حیائی (لفظ فحشاء کا استعمال آیت میں موجود ہے) میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔یہ لوگ اپنے اس ابلیسی نظام کو اللہ سے منسوب کرتے ہیں۔اور اللہ کے متعلق وہ کچھ کہتے ہیں کہ جس کا انہیں علم تک نہیں ہوتا۔

دیکھیں کیسے اللہ تعالیٰ نے قرآنی آیات میں ہر جگہ بخل و دولت کے ارتکاز جیسی برائی کو فحشاء کہہ کر پکارا ہے۔اور اس

سے بچنے کی تلقین کی ہے۔یہی سارے اسلام اوراس کے نظام صلوٰۃ کے قیام کا حقیقی مقصد تھا۔

اسلام سے پہلی قومیں اسی لیے اللہ نے تباہ کردیں تھیں کہ وہ اللہ کے قوانین کی جو اطاعت کرتے تھے اس سے وہ نتائج برآمد نہیں ہوتے تھے جن کے لیے وہ احکامات بیان کیے گئے تھے۔لیکن پھر بھی وہ برابر یہی سمجھتے آرہے تھے اور ہیں کہ ہم ان احکام کی ٹھیک اطاعت کررہے ہیں۔یہ ان کی غلط فہمی بلکہ خوش فہمی تھی۔قرآن بھی اس چیز پر گواہ ہے کہ انبیائے بنی اسرائیل نے اپنی قوم کو"قیام صلوٰۃ" کا حکم دیا تھا۔یہودی آج بھی نماز پڑھتے ہیں۔عیسائی بھی اپنی نماز پڑھتے ہیں۔اور ہم ایک طرح سے ان کے بارے میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ ان کی نماز کی شکل وہی ہو جو ان کے انبیا کے زمانہ میں رائج تھی۔اور یہ کتاب اللہ پر ہی عمل کررہے ہوں۔مگر پھر بھی قرآن تو کہتا ہے کہ"انہوں نے اپنی صلوٰۃ کو ضائع کردیا"۔"اضاعوالصلوٰۃ"(سورہ مریم آیت 59)۔اور پھر اس طرح تباہ و برباد ہوگئے۔

ایک سوچنے والا یہ سوچ سکتا ہے کہ صلوٰۃ کی شکل قائم رکھنے کے باوجود ان سے آخر کیا غلطی ہوئی جس کی وجہ سے قرآن نے ان کی صلوٰۃ کو"ضائع شدہ" کہہ دیا؟ان سے غلطی یہ ہوئی تھی کہ انہوں نے اس بات کا جائزہ نہیں لیا کہ ان کی صلوٰۃ وہ نتائج مرتب کررہی ہے جن کی وضاحت خدا نے ان سے کی تھی۔ان کی صلوٰۃ نے وہ نتائج برآمد کرنے چھوڑ دیے تھے جو ان کو اللہ نے بتلائے تھے۔اور انہوں نے صلوٰۃ کو دینی معاشرہ اور انسانی فلاح و بہبود کی بجائے ایک انفرادی پرستش یا پوجا نماز سمجھ لیا۔چنانچہ ان کے ہاں آج بھی صلوٰۃ کے لیے لفظ"Prayer"یا"Worship" استعمال ہوتا ہے۔بالکل یہ حالت ہماری نماز کی ہوچکی ہے۔جسے ہم"انفرادی صلوٰۃ" کہتے ہیں۔

(نظام صلوٰۃ کے قیام کے بغیر ہماری مروجہ نماز بے نتیجہ ہے اور رہے گی)

یہ ایک حیرت انگیز حقیقت ہے کہ اس وقت دنیا بھر میں لاکھوں بلکہ کروڑوں انسان نمازیں پڑھتے ہیں،روزے رکھتے ہیں،زکوٰۃ دیتے ہیں،حج کرتے ہیں اور جہاد میں بھی مصروف ہیں۔مگر نتیجہ کیا؟نہ یہ سب"ارکان" کسی کو برائیوں

سے روکتے ہیں، نہ ان میں اعلیٰ اخلاق پیدا کرتے ہیں، نہ ان کو یہ "عبادتیں" دنیا میں اعلیٰ مقام دلاتی ہیں۔ نہ اسلام کا وقار بلند ہوتا ہے۔ نہ مسلمانوں کو ان سے عزت ملتی ہے نہ معاشی استحکام ملتا ہے نہ ان کے معاشروں سے بھوک و افلاس ختم ہوتی ہے۔ نہ ان کی پریشانیاں اور خوف دور ہوتا ہے۔ اور نہ ہی ان کو دنیا بھر میں قرآنی وعدہ کے مطابق غلبہ ملتا ہے۔ الٹا پوری دنیا میں یہ ذلیل وخوار اور بے نمازی "کافر" قوموں سے ہر میدان میں پٹ رہے ہیں۔ بھوک ننگ افلاس، دہشتگردی، بے اخلاقی اور لاقانونیت ان کا امتیازی نشان بن چکا ہے۔ دین بھی الگ بدنام ہو رہا ہے۔ جب کہ اسلام تو آیا ہی دنیا میں غلبہ حاصل کرنے کے لیے تھا۔

"تم ہی غالب رہو گے اگر مومن رہے تو" (القرآن)

تو اس سارے ماجرا کی کیا وجوہات ہیں؟ کیونکہ ہر ناکامی کی کوئی نہ کوئی وجہ تو ضرور ہوتی ہے۔ کیونکہ ہر کوئی جاننا چاہتا ہے کہ قرآن میں لکھا ہے کہ صلوٰۃ برائی اور بے حیائی وبخل سے روکتی ہے۔ اور اس سے معاشرہ عظیم تر خوشگواری کی راہ پر گامزن ہو جاتا ہے۔ مگر ہماری نمازیں تو ایسا کوئی نتیجہ نہیں دیتیں۔ وجہ؟

اس سلسلے میں جب علماء سے رابطہ کر کے وجہ جاننے کی کوشش کی جاتی ہے تو وہ فٹ سے یہ جواب دیتے ہیں کہ ہماری نمازوں میں خشوع وخضوع نہیں۔ ہماری نمازیں دکھاوے کی نمازیں ہیں۔ ان میں وہ روح اور "گہرائی" نہیں جو ان کو نتیجہ خیز کرتی۔ اگر ہم نے ان کو ظاہری طور پر پڑھنے کی بجائے خشوع وخضوع سے پڑھا ہوتا تو یہ ضرور نتیجہ برآمد کرتیں۔ مگر میرے خیال میں علما حضرات کا یہ جواب بھی درست نہیں ہے۔ کیونکہ جب ایسے علماء حضرات سے میں پوچھتا ہوں کہ جناب اگر خشوع وخضوع کا معاملہ ہے تو پھر ہم تو ٹھہرے گنہگار بندے۔ ہمیں چھوڑیں۔ یہ تبلیغی جماعت اور دعوت اسلامی جیسی جماعتوں سے بڑھ کر خشوع وخضوع سے کون نمازیں پڑھتا ہوگا؟ ان کا تو کام ہی سارا سال منجی بستر ے اٹھا کر ایک مسجد سے دوسری مسجد میں "خشوع وخضوع" کی پریکٹس کرانا ہوتا ہے۔ اور ان کا سارا زور ہی نماز پر ہے۔ اور پھر دنیا میں سب سے زیادہ نمازیں (کروڑوں کی تعداد میں) یہی دو جماعتیں پڑھتی ہیں۔ اور

سب سے زیادہ ''خشوع وخضوع'' انہی دو جماعتوں کے اراکین میں نظر آتا ہے۔مگر ان کی کروڑوں نمازیں (جمع اور ضرب کے ریاضیاتی فارمولہ کے حساب سے) کیوں معاشرہ پر یا کم از کم انہی جماعتوں پر نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوتیں؟تو اس کا ان ''علماء'' حضرات کی طرف سے کوئی جواب نہیں دیا جاتا۔سوائے اس کے کہ نتیجہ نکل تو رہا ہے۔گلی گلی نگر نگر ہماری دھوم ہے۔ ہر جگہ ہمارا نام ہے۔اب اس ''نتیجہ'' کے اعلان کے بعد میں ان حضرات سے مزید نہیں الجھتا۔کیونکہ ہماری تحقیق کے مطابق یہ قرآن کا بتایا ہوا نتیجہ نہیں ہے۔قرآن کا بیان کردہ نتیجہ وہی ہے جو میں نے اوپر بیان کردیا ہے۔

المختصر ہمیں دینی احکامات اور عبادت کو ہر لمحہ اور ہر دور میں جانچنا اور پرکھنا ہوگا کہ کیا ہماری اجتماعی عبادت الٰہی اور احکامات خداوندی کی پیروی وہ نتائج مرتب کررہی ہے جو اللہ نے قرآن میں بتلائے ہیں یا نہیں۔اگر وہ نتائج مرتب نہیں ہورہے تو پھر ان ارکان دین کی کوئی اہمیت اور حیثیت نہیں۔یہ صرف قومی شعائر اور فرسودہ وبے روح رسمیں ہی رہیں گی۔

باب سوم: اسلام کے اہم ترین فریضہ ''اقامت صلوٰۃ'' (انسانی فلاحی نظام کا قیام) کا تعارف

صلوٰۃ کے لغوی معنی: الصلوٰۃ کمر کے درمیانی حصہ کو کہا جاتا ہے۔ یعنی کولہے کا وہ ڈھلوان حصہ جس پر جانور کی دم ہوتی ہے۔ دونوں جانب کے حصہ کو صلوان کہتے ہیں۔ اس کی جمع صلوٰت یا اصلاء ہے۔

اصلاء کی نسبت سے ''صلی الفرس تصلیہ'' اس حالت کو کہتے ہیں۔ کہ گھڑ دوڑ میں اول نمبر والے گھوڑے کے پیچھے دوسرا گھوڑا اس طرح سے آرہا ہو کہ اس کے کان پہلے گھوڑے کی سرین سے مل رہے ہوں۔ اور اس طرح سے جو گھوڑا آگے جا رہا ہو۔ اسے سابق کہتے ہیں۔ اور جو دوسرے نمبر پر آرہا ہو اسے ''المصلی'' کہتے ہیں۔ اس سے صلی کے معنی ہیں ''اگلے کے ساتھ مل کر پیچھے پیچھے آنا''۔

اس مندرجہ بالا وضاحت سے آپ کو صلوٰۃ کا بنیادی مطلب واضح ہو گیا ہوگا۔ یعنی اللہ کے نظام و قوانین کی پوری پوری پیروی کرنا۔ اس سے ذرہ برابر بھی ادھر ادھر نہ ہونا۔

ہمارا مولوی کہتا ہے کہ قرآن میں 712 بار نماز کا ذکر آیا ہے۔ جبکہ یہ غلط ہے۔ قرآن کے اندر نماز کا تو ذکر ہی موجود نہیں۔ یہ تو فارسی زبان کا لفظ ہے۔ جس کے معنی ہیں آگ کی پوجا۔ آتش پرست لوگ پانچ وقت کی نماز پڑھتے تھے۔ جسے وہ نماز کہتے تھے۔ اس بات کا ثبوت ان کی مقدس کتاب ''اوستا'' سے مل سکتا ہے۔

قرآن میں ''صلوٰۃ، صلوٰتک، صلوٰتی، صلو، صلوا وغیرہ'' کل ملا کر تقریباً 155 الفاظ آئے ہیں۔ اور قرآن میں تو ہر جگہ اقامت صلوٰۃ یعنی اقامت دین کا حکم ہے۔ کہ قرآنی نظام حیات قائم کیا جائے۔ پڑھنے کا تو کوئی ذکر موجود ہی نہیں۔ دور رسالت میں اس حکم الٰہی کی کیسے تعمیل کی جاتی تھی اور ہم جو نماز پڑھتے ہیں یہ کہاں سے، کیسے اور کیوں اسلام میں آئی، اس کی وضاحت اس مضمون کے اگلے حصہ میں کی جائیگی۔ فی الحال ہم صلوٰۃ کے قرآنی مفہوم پر روشنی ڈالتے ہیں۔

قرآن کریم کی روشنی میں حکم اقامت صلوٰۃ کی تعمیل کے تین طریقے بتلا دئے گئے ہیں۔ اور یہ تینوں طریقے آپس میں

لازم وملزوم ہیں۔ایسا نہیں ہوسکتا کہ امت ایک پر عمل کرتی رہے اور دوسرے سے بے خبر رہے۔یا دونوں پہ عمل پیرا ہو اور تیسرے سے بے خبر رہے۔یہ تینوں طریقہ ہائے صلوٰۃ بیک وقت عمل درآمد کئے جائیں گے اور تینوں کو قرآنی مفہوم کے مطابق ادا کیا جائیگا۔نہ کہ اپنے اپنے ذاتی مفادات کے تحت۔صلوٰۃ کے وہ طریقے یا صلوٰۃ کی وہ صورتیں جو قرآن کریم نے واضح انداز میں بیان فرمادی ہیں اور امت پر ان پہ فرض لازم ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

(1) اپنی آزاد ریاست میں نظام صلوٰۃ کو خلیفہ اسلام کی سرکردگی میں قائم کرنا (ریاست کے انسانی فلاحی نظام کے معنی میں)

(2) صلوٰۃ انسانی زندگی کے فرائض منصبی کے معنی میں

(3) صلوٰۃ اسلامی مساجد میں حقیقی نظام صلوٰۃ کی ایک ظاہری شکل کے معنی میں

آج کل اسلامی دنیا میں صرف تیسری شکل پر ایک رسمی اور جزوی (غیر حقیقی) عمل درآمد ہورہا ہے جو کہ نا کافی ہے۔ قرآن میں چونکہ تینوں طریقوں پر بیک وقت عمل درآمد لازم ہے اسی لئے مسلمان چونکہ پہلے دو طریقوں کو چھوڑ کر تیسرے پر غلط انداز میں عمل پیرا ہیں اور رسمی پرستش کررہے ہیں۔اسی لئے مسلمان تمام کے تمام تارک صلوٰۃ ہیں اور تارک دین بھی۔مندرجہ بالا تینوں طریقوں کا ایک ہی وقت میں نفاذ قرآنی اسلام کے بنیادی قانون صلوٰۃ کی تکمیل کے لئے انتہائی ضروری ہے۔ان تینوں طریقوں پر کیسے عمل درآمد ہوگا اس کی وضاحت مندرجہ ذیل سطور میں آرہی ہے۔

باب چہارم: قیام صلوٰۃ کی پہلی صورت: صلوٰۃ: انسانی فلاحی نظام حکومت کے معنی میں

(خلیفہ اسلام کی سرکردگی میں پوری دنیا میں ایک انسانی فلاحی نظام حکومت قائم کرنا)

انسانیت کو دنیا کے اندر ایک خوشگوار زندگی بسر کرانے کے لیے ہر دور میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی ایک انتہائی متوازن اور عملی فلاحی نظام دیا جاتا رہا ہے۔ اللہ کے نبی اس نظام کے مطابق معاشرہ تشکیل دے کر انسانی زندگیوں کو معاشی واخلاقی طور پر خوشگوار بناتے رہے۔ لیکن انسانی معاشرہ میں ایک ایسا مفاد پرست استحصالی طبقہ پیدا ہوگیا جسے قرآن نے ''مترفین'' کہہ کر پکارا ہے۔ یعنی دوسروں کی محنت پر عیش کرنے والا طبقہ۔ آج کی زبان میں سرمایہ داری نظام کہہ لیں جس کا آلہ کار مذہبی پیشوائیت اور ہمارے حکمران ہیں۔ ان تینوں کی شیطانی مثلث انسانیت کو اللہ کے دیے ہوئے فلاحی نظام سے ہمیشہ محروم رکھنے کے لئے کوشاں رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نبیوں کے لائے ہوئے نظام کا سب سے بڑا مخالف یہ طبقہ ہوتا تھا۔ اللہ نے اس کی وضاحت یوں کی:

''اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ہم نے کسی علاقہ میں اپنا رسول بھیجا ہو۔ اور وہاں کے دوسروں کی محنت پر عیش کرنے والے استحصالی طبقہ نے اللہ کے نبی اور اس کے لائے ہوئے نظام کی مخالفت کی ہو۔'' (سورہ سبا۔ آیت 34)

دوسری جگہ اسی طبقہ کو انسانیت کا مجرم کہا گیا ہے۔

''اور ظالم لوگوں نے ہمیشہ اس روش کی پیروی کی ہے جس سے ان کی تن آسانیاں اور عیاشیاں قائم رہیں۔ بلاشبہ یہ انسانیت کے مجرم ہیں۔ (سورہ ہود۔ آیت 116)

اس طبقہ کے لوگ ہمیشہ اللہ اور رسول کے دئے ہوئے نظام کی مخالفت کرتے تھے۔ اب دیکھیں اللہ قرآن میں صلوٰۃ کے بارے میں کیسے وضاحت کر رہا ہے کہ صلوٰۃ کیا ہے اور کیا نہیں ہے۔

''اللہ کی مساجد یعنی اللہ کے فلاحی نظام کے مراکز آباد کرنے کا حق صرف ان کا ہے جو اللہ کے قوانین کے مطابق زندگی بسر کر رہے ہوں۔ اور یوم آخرت (روز قیامت اور انسانیت کا دنیاوی مستقبل) پر یقین رکھتے ہوں۔

اور اللہ کا دیا ہوا فلاحی نظام (صلوٰۃ) قائم کرتے ہوں اور (اس نظام کی مالی مدد) کے لئے نوع انسان کی پرورش و نشو ونما کا انتظام کرتے ہوں۔ اور اللہ کے قوانین کی خلاف ورزی کے سوا کسی سے نہ ڈرتے ہوں۔ ایسے ہی لوگوں سے توقع کی جاسکتی ہے کہ راہ راست پالیں گے۔

کیا تم سمجھتے ہو کہ صرف حاجیوں کو پانی پلا دینا اور مسجد الحرام کی آبادی کا کوئی کام کر دینا ایسے نیک کام ہیں جیسے اللہ کے قوانین کے مطابق زندگی بسر کرنا اور اللہ کے قانون مکافات (جو کرو گے وہ بھرو گے) اور یوم آخرت (اگلی نسلوں کا مستقبل اور مرنے کے بعد ابدی زندگی) پر یقین رکھنا۔ اور اللہ کا نظام قائم کرنے کے لئے جدو جہد کرنا۔ بلاشبہ یہ دونوں کام برابر نہیں ہو سکتے۔

یادرکھو ایسی ظالم قومیں اللہ کی ھدایت سے فیضیاب نہیں ہوا کرتیں جو اشیا کو ان کا صحیح مقام نہیں دیتیں۔ جو لوگ اللہ کے قوانین کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں جو کچھ چھوڑنا پڑے چھوڑ دیتے ہیں اور اللہ کے نظام کے قیام و استحکام کے سلسلہ میں مسلسل جدو جہد میں مصروف رہتے ہیں۔ اپنے مال کے ذریعہ سے بھی اور جانوں کے ذریعہ سے بھی۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے درجات اللہ کے نزدیک بلند ہیں۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جو کامیاب و کامران اور اعلیٰ مقام پر فائز ہیں۔ (سورہ التوبہ۔ آیت 20-18)

مندرجہ بالا آیات کے حقیقی مفہوم سے اس بات کی خوب نشاندہی ہو رہی ہے کہ صلوٰۃ کیا ہے اور کیا نہیں ہے۔ اور ظاہری پرستش کی بجائے انسانی فلاح و بہبود کے اقدامات کو ہی حقیقی صلوٰۃ گردانا ہے اللہ نے۔

نظام صلوٰۃ میں اللہ کا دیا ہوا رزق ہر انسان دوسرے انسانوں کی پرورش و نشو ونما پر خرچ کرتا ہے۔

صلوٰۃ اور زکوٰۃ کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ اور زکوٰۃ بھی وہ نہیں جو سال بعد اڑھائی فیصد دے دی جاتی ہے۔ بلکہ قرآن کے حکم "جو بھی ضرورت سے زیادہ ہو۔ اللہ کی راہ میں دے دو" کے تحت ایک بڑی مقدار اللہ کی راہ میں دی جائے گی۔ جو کہ نظام صلوٰۃ کے قیام میں معاون ثابت ہوگی۔ ارشاد الٰہی ہے کہ:

"یہ قرآن ایسی کتاب ہے۔ جو ہر طرح کے شک سے بالاتر ہے۔ یہ ان لوگوں کی رہبری کرتا ہے۔ جو غلط راستوں کے خطرات سے بچنا چاہتے ہیں۔ یہ لوگ اللہ کے قوانین کے ان دیکھے نتائج پر یقین رکھتے ہیں اور ان کے مطابق ایسا فلاحی نظام (صلٰوۃ) قائم کرتے ہیں جس میں ہمارا دیا ہوا رزق اور پیسہ نوع انسان کی پرورش و نشوونما پر خرچ ہوتا ہے۔ (سورہ البقرہ۔آیت 2)

اس آیت میں صلٰوۃ کا نظام قائم کرنے کے لئے زکوٰۃ اور کھل کر اپنی ضروریات سے زائد پیسہ اللہ کے اس نظام صلٰوۃ کے کامیاب قیام کے لئے دے دینے کا واضح اشارہ ملتا ہے۔ اب اگر یہاں صلٰوۃ سے نماز مراد لیں تو نماز کا تو زکوٰۃ اور مال کے کھل کر خرچ کرنے سے کوئی تعلق ہی نہیں بنتا۔ صلٰوۃ اور زکوٰۃ کے باہمی تعلق کو سمجھنے کے لئے حضرت شعیبؑ کی ایک مثال ملاحظہ کریں:

صلٰوۃ اور زکوٰۃ کے باہمی تعلق کی وضاحت حضرت شعیبؑ کے واقعہ سے:

سورہ ھود میں اللہ نے حضرت شعیب کے سامنے اپنی دعوت خداوندی کو پیش کیا۔ تو انہوں نے حسب معمول اس کی مخالفت کی۔ شدید کشمکش کے بعد آخر قوم نے شعیبؑ سے پوچھا کہ یہ بتلادیں کہ آپ آخر چاہتے کیا ہیں؟ انہوں نے کہا کہ میں صلٰوۃ قائم کرنے کی آزادی چاہتا ہوں۔ اور آپ لوگ اس میں دخل اندازی نہ کریں تو بہتر ہوگا۔

شعیبؑ کی اس قوم نے اپنے تئیں یہ سمجھا کہ شائد شعیبؑ اپنے کسی الگ طریقہ پر خدا کی پرستش کی اجازت مانگ رہے ہیں۔ اس میں کونسی حرج کی بات ہے۔ جس طرح جی چاہے پوجا پاٹ کرلیا کریں۔ انہوں نے شعیبؑ کو صلٰوۃ کی اجازت دے دی۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد انہوں نے دیکھا کہ صلٰوۃ سے حضرت شعیبؑ کا وہ مطلب نہیں تھا جو یہ سب سمجھ بیٹھے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت شعیبؑ سے کہا کہ:

"اے شعیب۔ یہ تمہاری صلٰوۃ کس قسم کی ہے جو یہ کہتی ہے کہ ہم اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں اور جن کی پرستش ہمارے آباؤ اجداد شروع سے کرتے چلے آ رہے ہیں اور ہم اپنا مال بھی اپنی مرضی کے مطابق صرف نہ کریں۔ (تیری ایسی

صلوٰۃ کی تو ہم اجازت نہیں دے سکتے۔)" (سورہ ھود۔آیت 87)

تو اس آیت پہ غور کریں اور نتیجہ اخذ کریں کہ صلوٰۃ کا مطلب نماز نہیں ہے۔

صلوٰۃ اور زکوٰۃ کے باہمی تعلق کو توڑنے (رسمی نماز پڑھتے جانے اور زکوٰۃ سے پرہیز) کی سزا

اللہ نے نظام صلوٰۃ کے قیام کو زکوٰۃ کے ساتھ منسلک کر کے اس نظام کی مالی مضبوطی کا بھی طریقہ بتا دیا ہے کہ نظام صلوٰۃ کے ذریعے جب نوع انسانی کی معاشی فلاح و بہبود کی جائے گی اور انسان کو مختلف انداز میں فائدہ پہنچایا جائے گا تو اس کے لئے ظاہر ہے روپے پیسے کی بھی کھلی ضرورت پڑے گی۔ جو معاشرہ کے ہر شخص سے متوازن مقدار میں ایک ٹیکس کے طور پر لیا جائے گا۔ یہ ٹیکس انہی کے فائدہ کے لئے استعمال ہو گا۔ مسلمانوں سے زکوٰۃ اور غیر مسلم شہریوں سے جزیہ لیا جائے گا۔ اور یہ ایک قانون ہو گا جس کا انکار بغاوت تصور کیا جائے گا۔ لیکن جو لوگ اس وقت خود کو مسلمان کہتے ہیں اور نمازوں پر نمازیں پڑھتے چلے جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ صلوٰۃ کے فریضہ پر قائم ہیں اور ساتھ ہی دولت کے انبار لگا کر غریبوں کو ان کے جائز حق سے محروم کرتے ہیں اور معاشرہ میں امیر و غریب کی باہمی خلیج کو وسیع تر کرتے چلے جاتے ہیں ایسے نمازیوں کی صلوٰۃ کے برباد ہونے کی خبر اللہ نے سورہ الماعون میں دے دی ہے۔

"کیا تم نے دین کے ان "دعویداروں" کی حالت پر غور کیا جن سے دین اسلام کی تکذیب و تذلیل ہو رہی ہے؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کے معاشرہ میں کمزور اور بے آسرا کو دھکے پڑتے ہیں۔ اور جن کے ہاں اپنے معذور و بیروزگار افراد کی پرورش اور روزی کا کوئی انتظام نہیں۔ سو بربادی ہے ایسے جعلی "مصلین" (نمازیوں) کے لئے جو صلوٰۃ کی اصلی حقیقت سے بے خبر ہیں۔ ایک طرف تو یہ لوگ دکھاوے کی جعلی عبادت "نماز" کرتے ہیں۔ اور دوسری طرف رزق اور دولت کے سرچشموں کے آگے اپنے اپنے بند لگا کر نوع انسانی کو بنیادی سامان زندگی سے بھی محروم کر دیتے ہیں۔" (سورہ الماعون) (سارے مسلمان ممالک کی کہانی بیان کر دی ہے اللہ نے اس سورت میں)

صلوٰۃ کے قیام کے لئے اپنی حکومت بھی ضروری ہے۔ جبکہ نماز کے لئے حکومت ضروری نہیں، کہیں بھی ہوسکتی ہے۔

قرآن میں جو اللہ نے نظام صلوٰۃ بیان کیا ہے اس کے لئے اللہ نے یہ بھی صاف طور پر بتلا دیا ہے کہ یہ نظام صلوٰۃ مومنین کی اپنی الگ حکومت کے اندر ہی قائم ہو سکے گا۔ کیونکہ نظام ہمیشہ اپنی ہی حکومت میں قائم کیا جاتا ہے۔ محکومی کی حالت میں نہیں۔ ایک صلوٰۃ کیا کوئی بھی نظام آپ اس وقت تک قائم نہیں کر سکتے جب تک حکومت آپ کے اپنے ہاتھوں میں نہ آ جائے۔ ملاحظہ فرمائیں ارشاد الہیٰ:

"جب مومنین کی جماعت کی حکومت قائم ہوگی تو وہ اقامت صلوٰۃ، ایتائے زکوٰۃ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فرائض سرانجام دے گی۔" (سورہ الحج۔ آیت 41)

اس آیت پر غور کریں۔ صلوٰۃ کا نظام صرف حکومت اور اقتدار ملنے کے بعد قائم ہوسکتا ہے۔ نہ کہ نماز پڑھنے اور اڑھائی فیصد زکوٰۃ دے دینے سے۔ نماز اور اڑھائی فیصد زکوٰۃ دینے کے لئے ظاہر ہے اپنی حکومت کی تو کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ جو طریقہ ہائے نماز و زکوٰۃ اس دور میں رائج ہیں اس طریقہ کے مطابق تو یہ کام ہر حکومت میں ادا کئے جاسکتے ہیں۔ ہمیں انگریز کی غلامی کے دوران بھی نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کا حق حاصل تھا۔ اور آج بھارت میں بھی مسلمانوں یہ یہ حق حاصل ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کی رو سے اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کا وہ مطلب ومفہوم نہیں جو آجکل ہم مسلمان عموماً لیتے ہیں۔ یہ تو اور طرح کے فرائض ہیں جو الگ اور آزاد اسلامی ریاست میں ادا کئے جاسکتے ہیں۔

ملا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

اسلامی مملکت کے بارے میں تو سورہ شوریٰ میں بھی ذکر ہے کہ مومنین وہ ہیں جو خدا کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں اور اس کے احکامات کے آگے سرِ تسلیم خم کرتے ہیں۔ یعنی اقامت صلوٰۃ کرتے ہیں اور اپنے تمام معاملات کو باہمی مشورہ سے

طے کرتے ہیں۔اور جو رزق خدا نے انہیں دیا ہوتا ہے اسے نوع انسانی کی عالمگیر ربوبیت (نشوونما) کے لئے کھلا رکھتے ہیں۔" (سورہ الشوریٰ۔آیت 38)

اس آیت سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صلوٰۃ کا دائرہ کار کتنا وسیع ہے۔صلوٰۃ وہ نظام مملکت ہے۔جس میں تمام ریاستی امور جماعت مومنین اور خلیفہ کے باہمی مشاورت سے طے پاتے ہیں جس کا بنیادی فریضہ تمام نسل انسانی کی پرورش و نشوونما ہے۔چونکہ اسلامی نظام صرف اور صرف کتاب اللہ کے قوانین کے عملی نفاذ کے لئے قائم ہوتا ہے۔اسی کو عبادت کہتے ہیں جیسا کہ میں نے اس مضمون کے پہلے باب میں واضح کیا۔اسی لئے ایک دوسری جگہ اللہ نے یہ فرمایا ہے کہ:

"یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی کتاب کے ساتھ وابستہ رہتے ہیں اور اس طرح اقامت صلوٰۃ کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔" (سورہ الاعراف۔آیت 170)

اسی طرح اللہ ایک اور جگہ فرماتا ہے کہ:

"بے شک صلوٰۃ فحشاء اور برائیوں سے روکتی ہے۔"

فحشاء کی وضاحت تو میں پیچھے کر آیا ہوں۔کہ اس سے مراد بخل و کنجوسی اور بے حیائی دونوں ہیں۔مزید اس آیت سے یہ ثابت ہے کہ صلوٰۃ اس نظام کا نام ہے۔جس میں اچھے کاموں کے کرنے کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے اور برے کاموں سے زبانی یا زبردستی روکا جاتا ہے۔اسے ہی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کہتے ہیں۔بالفاظ دیگر "قانون کی حکمرانی" کہہ لیں۔اور قانون کی حکمرانی کے تحت رہ کر نیک کاموں کا حکم اور برائی سے روکنا ہی صلوٰۃ کا نتیجہ اور خصوصیت ہے۔نہ کہ اس نماز کی جو ہمارے ہاں رائج ہے۔کیونکہ جہاں تک ہماری نمازوں کا تعلق ہے ان سے بخل و بے حیائی اور برائیاں نہیں رکتیں۔یہ ہم سب جانتے ہیں۔اور بے نمازوں کو چھوڑئے۔صرف نمازی حضرات کو ہی لے لیجئے کہ لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں پڑھتے ہیں اہتمام کے ساتھ نمازیں۔مگر پھر بھی برائیوں سے نہیں رکتے۔فحاشی و بے

حیائی ترک نہیں کرتے۔ کنجوسی اور ارتکاز دولت نہیں چھوڑتے۔ بد اخلاقی اور لڑائی جھگڑا نہیں چھوڑتے۔ چھوڑ سکتے بھی کیسے ہیں؟ وہ نماز پڑھنے کے باوجود تارک صلوٰۃ ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ تمام برائیاں صرف ایک نظام (صلوٰۃ) ہی چھڑوا سکتا ہے، نماز جیسی رسمی پرستش نہیں۔ اور قرآن کی اس آیت میں بھی یہی بتایا گیا ہے کہ منکرات اور برائیاں صرف نظام صلوٰۃ سے ہی ختم ہو سکتی ہیں۔

معاشرہ کو سنوارنے والے نظام کے حوالے سے صلوٰۃ کے مفہوم کی وضاحت

"جو لوگ اللہ کی کتاب اور اس میں دئے گئے قوانین سے وابستہ رہیں گے اور اللہ کا دیا ہوا فلاحی نظام (صلوٰۃ) قائم کر لیں گے۔ تو ایسے لوگوں کا اجر ضائع نہیں ہونے دیا جائیگا جو معاشرہ کو سنوارتے ہیں۔" (سورہ الاعراف۔ آیت 170)

بے انصافیوں اور ظلم سے پاک معاشرہ اور نظام صلوٰۃ کا باہمی تعلق

"اللہ چاہتا ہے کہ سرمایہ (دولت) پر منافع لینے والے استحصالی اور ظالمانہ نظام (سود اور سرمایہ داری نظام) کو مٹا دیا جائے اور اس کی جگہ انسانی فلاح و بہبود کے حامل نظام کو فروغ دیا جائے۔ دیکھو اللہ ایسے نافرمانوں کو پسند نہیں کرتا جو معاشرہ کو پسماندہ اور مضمحل بنا دیتے ہیں۔ پس جو لوگ اللہ کا دیا ہوا نظام قرآنی قبول کر کے اپنی ذات اور معاشرہ کی اصلاح کر لیتے ہیں اور اس طرح اللہ کا دیا ہوا انسانی فلاحی نظام (صلوٰۃ) قائم کر کے نوع انسانی کی پرورش و نشوونما کا انتظام کرتے ہیں اللہ انہیں اس کا اجر ایسے معاشرہ کی صورت میں دیتا ہے جس میں ہر طرح کی خوشحالی کی ضمانت ہوتی ہے۔ اور کوئی خوف باقی نہیں رہتا اور ہر طرح کی پریشانیاں اور غم اور نفرتیں ختم ہو جاتے ہیں۔" (سورہ البقرہ۔ آیت 276)

صلوٰۃ قرآن کریم کے رو سے صرف اجتماعی طور پر ہی قائم کی جا سکتی ہے۔ انفرادی صلوٰۃ کی کوئی گنجائش نہیں۔

اقامت صلوٰۃ یعنی وحی پر دئے ہوئے نظام زندگی اور اس کے پروگرام پر عمل پیرا ہونا انفرادی طور پر قطعاً ممکن نہیں۔ یہ

صرف اجتماعی نظام کے تحت ہی ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے اس کے لئے صرف جمع کے صیغے ہی استعمال کئے ہیں۔ اور قرآنی مملکت کا فریضہ ہی یہ بتایا ہے کہ:

"یہ وہ لوگ ہیں کہ جب انہیں زمین میں اقتدار حاصل ہو گا تو اللہ کا دیا ہوا انسانی فلاحی نظام (صلوٰۃ) قائم کریں گے اور نوع انسانی کی پرورش کا انتظام (ایتائے زکوٰۃ) کریں گے۔ اور اچھے کام کا حکم دیں گے اور برے کام سے روکیں گے۔" (سورہ الحج۔ آیت 41)

اسی طرح انہی کو اجتماعی طور پر کہا ہے کہ "الراکعون الساجدون۔ (سورہ التوبہ۔ آیت 112)

رکوع اور سجدہ کرنے والے۔ یعنی اللہ کے نظام و قوانین کے آگے جھکے ہوئے۔"

اور دوسری جگہ اقامت صلوٰۃ اور امور مملکت کے لئے باہمی مشاورت کا اکٹھا لفظ استعمال کیا ہے۔

"یہ لوگ اللہ کا دیا ہوا انسانی فلاحی نظام قائم کریں گے۔ اور ان کے امور حکومت باہمی مشاورت سے طے پائیں گے۔" (سورہ الشوریٰ۔ آیت 38)

لہذا اقامت صلوٰۃ کا مفہوم ہے ایسا نظام و معاشرہ قائم کرنا جس میں تمام افراد قرآن میں دیئے گئے نظام قوانین کے مطابق زندگی بسر کریں اور یوں اللہ کی کتاب کے ساتھ وابستہ رہیں۔

یعنی بات درحقیقت ساری یہاں آکر سمٹ جاتی ہے کہ انسان اپنے فیصلے اللہ کی وحی کے مطابق کرنا چاہتا ہے یا اپنی خواہشات کے مطابق؟ اپنے تمام معاملات کو اللہ کی وحی کے مطابق کرنے کا نام "اقامت صلوٰۃ" ہے چنانچہ سورہ مریم میں "اقامت صلوٰۃ" اور "اتباع جذبات" کو ایک دوسرے کے مد مقابل لاکر بات کو واضح کر دیا گیا ہے کہ:

"پھر ایسے ناخلف پیدا ہو گئے جنہوں نے اللہ کے دیئے ہوئے نظام صلوٰۃ کو ضائع کر دیا اور اپنے جذبات کی پیروی کرنے لگ گئے۔" (سورہ مریم۔ آیت 59)

اللہ کے دیئے ہوئے نظام صلوٰۃ کی عملی تشکیل کی تشریح۔

"اے اہل ایمان۔ اللہ کے قوانین کے سامنے جھکے رہو اور اللہ کے دیئے ہوئے نظام ربوبیت کی اطاعت کرو اور ایسے کام کرو جس سے نوع انسانی کا بھلا ہو۔ تا کہ تمہیں کامیابیاں اور کامرانیاں نصیب ہوں۔ اور اللہ کا نظام قائم کرنے کے سلسلے میں اس طرح جدوجہد کرو جیسے کرنے کا حق ہے۔ اللہ نے تمہیں اسی لئے منتخب کیا ہے۔ پس اللہ کا نظام قائم کرنے کے سلسلے میں جو ذمہ داری تم پر ڈالی گئی ہے اسے بوجھ اور بیگار کا تصور مت کرو۔ یہ وہی نظام ہے جسے تمہارے مورث اعلیٰ ابراہیمؑ کے ہاتھوں قائم کیا گیا تھا اور اس نے اس نظام کے قائم کرنے والی جماعت کا نام "مسلم" رکھا تھا۔ اور اب قرآن میں بھی یہی نام تجویز کیا گیا ہے اور اس نظام کے قیام کا عملی پروگرام اس طرح ہے کہ تمہارے حقوق و فرائض تمہارا رسول یا مرکز ملت کرے۔ اور تم تمام نوع انسانی کے حقوق و فرائض کی نگرانی کرو۔ پس اللہ کا دیا ہوا فلاحی نظام (صلوٰۃ) قائم کرو اور انسان کی پرورش کا انتظام کرو (زکوٰۃ)۔ اور مضبوطی سے اللہ کے ضابطہ حیات (قرآن) کو تھامے رکھو۔ دیکھو اللہ ہی تمہارا کارساز حاکم اور نگران ہے اور وہ بہت ہی اچھا کارساز اور بہت اچھا مددگار ہے۔" (سورہ الحج۔ آیت 77)

مندرجہ بالا آیت کے حقیقی مفہوم سے نظام صلوٰۃ کے قیام کا سارا طریقہ چند الفاظ ہی میں اللہ نے بیان کر دیا ہے۔ اسی طرح اللہ نے ان لوگوں کو بھی کافر قرار دیا ہے جنہوں نے نظام صلوٰۃ کی حقیقت کو فراموش کر کے انسانی فلاحی نظام قائم کرنے کی بجائے دین کو مذہب میں تبدیل کر ڈالا۔ اور اپنی نفسانی خواہشات کے پیچھے لگ گئے۔ ملاحظہ کیجئے:

"یہ ان لوگوں میں سے تھے جنہیں ہم نے رہنمائی عطا کی اور برگزیدہ بندے بنایا۔ ان کی کیفیت یہ تھی کہ جب ان کے سامنے اللہ کے قوانین آتے تو وہ پورے دلی گداز کے ساتھ ان کے آگے جھک جاتے۔ لیکن ان کے بعد ان کے ایسے ناخلف جانشین ہوئے جنہوں نے اللہ کے فلاحی نظام صلوٰۃ کو ضائع کر دیا اور اپنے اپنے ذاتی مفادات و خواہشات کے پیچھے لگ گئے اور گمراہ ہو کر تباہی و بربادی سے دوچار رہے۔" (سورہ ابراہیم۔ آیت 28)

باب پنجم: صلوٰۃ: فرائض منصبی کے معنی میں

سورہ النور میں ہے:

"غور کرو کہ کیسے کائنات کی ہر چیز اللہ کی تسبیح میں مصروف ہے اور پر پھیلائے ہوئے پرندے بھی دیکھو۔ کائنات کی ہر شے اپنی اپنی تسبیح وصلوٰۃ سے واقف ہے"۔ (سورہ النور۔ آیت 41)

یہاں اللہ کی تسبیح سے مراد مسلمان لوگ اللہ کا ذکر اور اللہ اللہ سے لیتے ہیں۔ جبکہ ایسا نہیں۔ یہاں بتایا یہ گیا ہے کہ کائنات کی ہر شے اپنی فطری جبلت کی رو سے جانتی ہے کہ اس کے فرائض کیا کیا ہیں۔ اسے کس راستہ پر چلنا ہے اور کس منزل پر پہنچنا ہے۔ اس کی جدوجہد کیا ہے۔ اسے کیا کیا کام کرنے ہیں۔ اور اسی چیز کو ان تمام کائناتی اشیاء کی صلوٰۃ اور تسبیح کہا گیا ہے۔ اور انسان کے سوا کائنات کی ہر چیز (بشمول جانور اور پودے) اپنے اپنے فرائض منصبی (ڈیوٹی) میں ہر دم مصروف عمل ہیں۔ اور اس سے کبھی انحراف ان کے لئے ممکن نہیں۔ لیکن انسان اپنے فرائض کی خود کار تعمیل (Automatic Execution) کے لئے مجبور نہیں کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے لاڈلے کو اختیار اور آزادی دی ہے کہ وہ جیسا چاہتا ہے ویسا کرلے۔ ہاں البتہ اس کے سامنے دو راستے ضرور رکھ دئے گئے ہیں۔ ایک درست راستہ اور دوسرا غلط۔

انسان کو اپنی صلوٰۃ اور فرائض منصبی کا علم دوسری کائناتی اشیاء کی طرح جبلی طور پر نہیں دیا گیا۔ بلکہ اسے یہ سب کچھ بذریعہ وحی دیا گیا ہے۔ جہاں تک عام دنیاوی ضروریات کا تعلق ہے، انسان ان ضروریات کا علم عقل وفکر اور تجربہ و مشاہدہ کی رو سے حاصل کرسکتا ہے۔

لیکن جہاں تک انسان کی "انسانیت" کے تقاضوں کا اور اس کے وجود کے مقصد کا تعلق ہے، وہ اسے وحی کے ذریعہ ہی معلوم ہوسکتا ہے۔ لہٰذا انسان کو اپنے وجود کا مقصد اور اپنے فرائض منصبی (اپنی صلوٰۃ و تسبیح) جاننے کے لئے وحی سے رجوع کرنا ضروری ہے۔ اور اسی مقصد کی تکمیل کے لئے وحی کے دئے ہوئے نظام و پروگرام پر عمل کرنا لازمی ہے جسے

قرآن کریم نے "اقامت صلوٰۃ" کی جامع اصطلاح سے تعبیر کیا ہے۔ اور اس کی صلوٰۃ کا دائرہ کار بہت وسیع اور اجتماعی ہے۔ جس کی وضاحت اس پورے مضمون میں مسلسل ہوتی چلی آرہی ہے۔ اسی فریضہ منصبی کی ادائیگی کو ہی قرآن نے "عبادت" اور تسبیح کا نام دیا ہے۔

قرآن میں تمام کائناتی اشیاء (انسان کے علاوہ) کے فرائض منصبی یا صلوٰۃ و تسبیح کا ذکر

"کیا تم نے غور کیا کہ کس طرح زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ کی طرف سے عائد کردہ فرائض کی انجام دہی میں مصروف عمل ہے۔ پرندوں کو دیکھو کس طرح طرح فضا میں پر پھیلائے مصروف کار ہیں۔ کائنات کی ہر شے اپنے فرائض زندگی (صلوٰۃ) کو اور اپنے دائرہ عمل (تسبیح) کو پہچانتی ہے۔ اور جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ کو سب کا علم ہوتا ہے۔ اللہ کی ہی حکومت ہے آسمانوں پر بھی اور زمین پر بھی۔ اور ہر شے کا قدم اللہ کے قانون کی طرف اٹھ رہا ہے۔ تم نے غور کیا کہ اللہ کا قانون کس طرح بادلوں کو ہنکاتا ہے اور پھر کس طرح ان کا ایک ٹکڑا دوسرے میں مدغم ہو جاتا ہے۔ اور جب یہ تہہ در تہہ ہو جاتے ہیں تو تم دیکھتے ہو کہ ان میں سے پھر بارش برسنے لگ جاتی ہے" (سورہ النور۔ آیت 41)

چونکہ یہ تمام کائناتی اشیاء اللہ کے قانون پر جبلی طور پر عمل پیرا رہ کر ہر لمحہ اپنے فرائض کی تکمیل میں مصروف ہیں۔ اسی طرح انسان کو بھی اللہ نے حکم دیا ہے کہ وہ بھی صبح شام اپنے فرائض منصبی (اقامت صلوٰۃ) پر متعین کردہ پروگرام کے مطابق عمل پیرا رہے۔ مندرجہ ذیل آیت میں ارشاد ہے:

پس انسان بھی صبح سے شام تک اپنے فرائض منصبی (صلوٰۃ) کی انجام دہی کے لئے مصروف رہے۔

"دیکھو اللہ کا نظام صلوٰۃ قائم کرنے کے سلسلے میں تمہارے جو فرائض منصبی ہیں ان کی انجام دہی کے لئے صبح سے شام تک اپنے پروگرام پر عمل پیرا رہو۔ اور علی الصبح قرآنی حقائق پر غور و فکر کیا کرو۔ بلاشبہ فجر کے سکوت افزا وقت میں قرآنی حقائق محسوس و مشہود شکل میں سامنے آسکتے ہیں۔" (سورہ بنی اسرائیل۔ آیت 78)

صلوٰۃ ایک مرکزی فریضہ زندگی (صلوٰۃ الوسطیٰ) ہے۔

”دیکھو ہر معاملہ میں اپنے فرائض منصبی (صلوٰۃ) کی نگہداشت کرو۔ اور تمہاری زندگی کا مرکزی فریضہ ہی یہ ہے کہ زندگی کے ہر شعبہ میں اللہ کے قوانین کی اطاعت میں کمربستہ کھڑے رہو۔ خواہ تم خوف کی حالت میں ہو یا امن کی حالت میں۔ پا پیادہ ہو یا سواری پر۔ ہر حال میں اللہ کے قوانین کو اپنے سامنے رکھو۔ جس طرح تمہیں ان کا علم دیا گیا ہے۔ پہلے تم ان قوانین کا علم نہیں رکھتے تھے۔“ (سورہ البقرہ۔ آیت 238)

تہجد (صرف رسول اللہ ”مرکزملت“ کے لئے)

”اللہ کے نظام کے سلسلہ میں اگر حالات کا تقاضا زیادہ ہو تو رات کا کچھ حصہ بھی ان کاموں میں صرف کرو۔ بہرحال یہ اضافہ صرف تمہارے لئے ہے۔ (کیونکہ مرکزملت کی ذمہ داریاں زیادہ ہوتی ہیں)۔

کائنات کی ہر چیز اللہ کے نظام کے آگے جھکی ہوئی (سجدہ ریز) ہے اور اپنے فرائض منصبی نبھا رہی ہے۔

”ہر شے اللہ کے قوانین کے آگے جھکی ہوئی ہے (یسجد)۔ آسمانوں اور زمین میں۔ چاہے خوشی سے یا مجبوری سے“ (سورہ الرعد۔ آیت 15)

اشیائے کائنات، جاندار مخلوق اور ملائکہ اللہ کے قوانین کے آگے سر تسلیم خم کئے اپنے فرائض منصبی نبھا رہے ہیں

”اللہ کے قوانین کے آگے جھکی ہوئی ہے ہر وہ چیز جو آسمان و زمین میں ہے۔ جاندار مخلوق بھی اور کائناتی قوتیں (ملائکہ) بھی۔ ان میں سے کسی کو سرکشی کی جرات نہیں۔ وہ اپنے رب کے قوانین کی خلاف ورزی کے نتائج سے ڈرتی ہیں۔ لہٰذا انہیں جس راہ پر لگایا گیا ہے وہ اسی پر سر جھکائے چل رہی ہیں۔“ (سورہ النحل۔ آیت 49)

چاند سورج، پہاڑ، درخت سب اللہ کے قوانین پر عمل پیرا (سجدہ ریز) ہیں۔

”کیا تم نے غور کیا کہ کس طرح آسمان و زمین میں موجود ہر چیز اللہ کے قوانین کے آگے جھکے ہوئے ہیں (یسجد)۔ سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، درخت اور جاندار مخلوق بھی۔ اور بہت سے انسان بھی (منکرین قوانین الٰہی)

کے علاوہ۔" (سورہ الحج۔آیت 18)

اس آیت میں باقی مخلوق و کائنات کے معاملہ میں سب کا ذکر کرنا اور انسان کے معاملہ میں "سب" کی بجائے "اکثر" کے ذکر سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ دیگر اشیائے کائنات و مخلوقات کو تو جبلی علم صلوٰۃ (فرض منصبی) دیا گیا ہے مگر انسان کو جبلی طور پر نہیں بلکہ اسے وحی کے ذریعے علم دیا گیا ہے کہ اس نے دنیا میں رہ کر کیا کیا کرنا ہے۔ اور ساتھ ہی مجبور بھی نہیں کیا گیا۔ لاڈلے انسان کو اللہ نے اختیار دے دیا ہے کہ جو چاہے کرے، صحیح راستہ اختیار کرے گا تو نتائج اچھے ہونگے، غلط راہ پر چلے گا تو خوفناک نتائج وہ خود ہی دنیا میں ہی بھگتے گا۔

باب ششم: صلوٰۃ: مسجد میں ہونے والے اجتماعات صلوٰۃ کے معنیٰ میں

قرآن کریم میں بیان کردہ فریضہ صلوٰۃ کی یہ تیسری شکل ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بذریعہ قرآن مندرجہ ذیل مقاصد حاصل کرنے کے لئے امت میں نافذ کیا تھا۔

(1) مسلمان امت کو زندگی کے ہر لمحہ میں اجتماعی طور پر حقیقی نظام صلوٰۃ کے قیام اور اس پر عمل پیرا رہنے اور مرکز ملت کی مکمل ترین اطاعت کی ایک جامع ترین مشق کروانا جس سے ان میں ملی یکجہتی اور اتحاد قائم رکھنے کا عملی رجحان پیدا ہو۔

(2) امت کے جملہ مسائل و معاملات کے متفقہ حل کی غرض سے خلیفہ کا لوگوں کو جمع کر کے ان سے مشاورت کرنا۔

''یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کی اطاعت کرتے ہوئے اللہ کا دیا ہوا نظام (صلوٰۃ) قائم کرتے اور باہمی امور کو مشاورت سے طے کرتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے رزق کو انسان کی نشوونما و پرورش کے لئے عام کر دیتے ہیں'' (سورہ الشوریٰ۔ آیت 38)

(3) صلوٰۃ کے مقرر کردہ اجتماعات (جنہیں ہم نماز کہتے ہیں) کا ایک اور انتہائی اہم ترین مقصد مومنین کے دلوں پر قرآنی تعلیمات کی تخم ریزی کرنا ہے۔ یعنی لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ احکامات قرآنی جن کی رہنمائی کے بغیر فریضہ صلوٰۃ کی ادائیگی و قیام ممکن نہیں، کی یاد دہانی کروانا۔ اور صلوٰۃ کے اندر قرآن کریم پڑھ کر انہیں قرآنی فہم ایک مقررہ مقدار میں مسلسل فراہم کرنا۔

سورہ المزمل میں ان اجتماعات صلوٰۃ کے متعلق فرمایا کہ ان میں قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو۔ کیونکہ اللہ کی کتاب کو یوں مقررہ اوقات میں ٹھہر ٹھہر کر پڑھا جائے کہ اس کی تعلیمات لوگوں کے دلوں پر ثبت ہو جائیں اور جب بھی وہ زندگی کے کسی معاملہ میں کوئی قدم اٹھانے لگیں تو اللہ کے دیئے ہوئے قوانین و احکامات فوراً ان کے سامنے آ جایا کریں اور وہ ان کی روشنی میں ہی قدم اٹھائیں۔

"ان اجتماعات میں قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔(سورہ المزمل۔آیت 73)

دور رسالت اور دور خلفاء راشدین میں اجتماعات صلوٰۃ کے قیام کی حقیقی تفاصیل اور خلافت کے بعد دور ملوکیت میں صلوٰۃ کے نماز میں تبدیل ہو جانے کی افسوسناک کہانی۔

قرآن کریم میں جہاں صلوٰۃ کا لفظ مرکز ملت کی نگرانی میں بہترین نظام زندگی اور انسانوں کے دنیا کے اندر رہتے ہوئے فرائض منصبی کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ اجتماعات صلوٰۃ کے مقررہ اوقات پر قیام کے معنی میں بھی آیا ہے۔جس کا مقصود ہی نظام صلوٰۃ کا قیام ہی تھا۔مگر مسلمانوں نے ان اجتماعات صلوٰۃ کو"نماز" کی رسوم میں تبدیل کر لیا اور قرآنی ہدایت سے مکمل طور پر گمراہ ہو گئے۔نماز فارسی زبان کا لفظ تھا،نہ کہ عربی کا۔مگر یہ فارسی لفظ آج اسلام کی وسیع ترین اصطلاح صلوٰۃ کا متبادل بنا دیا گیا۔آتش پرست ایرانی اپنی پوجا پاٹ کو صلوٰۃ کہتے تھے۔اور وہیں سے یہ لفظ (ایرانی سازشیوں کے دور میں) ہمارے ہاں آ گیا۔

سب سے پہلے تو یہ بات ذہن نشین کرنی ضروری ہے کہ قرآن کریم کی رو سے"اللہ کی عبادت" سے مراد اس قسم کی پوجا پاٹ و نماز پڑھنا ہرگز نہیں جو عام طور پر اسلام سمیت دیگر خود ساختہ مذاہب میں پائی جاتی ہے۔قرآن کی رو سے تو اللہ کی عبادت سے مراد قوانین وحی کی اطاعت اور اللہ تعالیٰ کی محکومیت اختیار کرنا ہے۔جس طرح دیگر کائناتی اشیاء اختیار کئے ہوئے ہیں۔اس مضمون کے پہلے باب میں میں عبادت کے حقیقی مفہوم پر خوب روشنی ڈال چکا ہوں۔اس لئے اسی کو ذہن میں رکھتے ہوئے نظام صلوٰۃ کی وضاحت کی اور صلوٰۃ کو فرائض منصبی کے معنی میں دوسری شکل کے بعد اب اس تیسری صورت صلوٰۃ کو بھی واضح کروں گا کہ دور رسالت میں صلوٰۃ کے نام سے مسجد نبوی کے اندر قرآن فہمی کے اجتماعات کو کیسے سرانجام دیا جاتا تھا۔

دور رسالت ﷺ میں اقامت صلوٰۃ کی صورت

اسلام ایک دین ہے،مذہب نہیں۔جس میں ہر شخص اپنے اپنے طور پر اللہ کے احکامات کی اطاعت کر لے اور سمجھ لے کہ

وہ کامیاب ہو گیا۔ اسلام ایک اجتماعی نظام ہے۔ جس میں اللہ کے عطا کردہ قوانین زندگی (قرآن) کی اطاعت صرف اور صرف اجتماعی طور پر نظام مملکت (خلیفہ اور عوام) کے ذریعے ہی کی جاتی ہے۔ اسلامی مملکت یا نظام ہی ریاست میں اللہ کے پیش کردہ قوانین قرآنی کو نافذ کرنے اور لوگوں سے اس کی اطاعت کرانے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اس قسم کا نظام سب سے پہلے نبی کریم حضرت محمد ﷺ نے مدینہ میں قائم فرمایا تھا۔ اسکا مقصد امت سے احکامات الٰہی اور قرآنی قوانین زندگی کی اطاعت کرانا تھا۔ اس لئے قرآن کریم کی دی گئی اصطلاح ''اللہ و رسول کی اطاعت'' کا مطلب تھا اللہ کے احکامات کی اطاعت اپنے اپنے طور پر نہیں بلکہ اس نظام کے ذریعے جو اللہ کے نبی نے ایک مرکز ملت کے طور پر قائم فرمایا ہے۔ اللہ کے اصولی قوانین قرآن کریم میں جمع کر دئے گئے تھے اور رسول اللہ بہ حیثیت مرکز ملت نظام خداوندی ان احکامات کی اطاعت حالات کے تقاضے کے مطابق افراد معاشرہ سے کراتے تھے۔

یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ قرآن کریم میں کچھ احکام دئے گئے ہیں لیکن بیشتر امور میں صرف اصولی ہدایات ہی دی گئی ہیں۔ اب نظام خداوندی (نظام صلوٰۃ) کے قیام کے لئے رسول اللہ ﷺ کا فریضہ یہ تھا کہ وہ مرکز ملت کے طور پر ان اصولوں کی جزئیات حالات کے تقاضے کے مطابق جماعت مومنین کے مشورے سے خود مرتب کریں۔ رسول اللہ ﷺ کو جو صحابہ کرامؓ سے مشورہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا اس کے پیچھے یہی مقصدِ مشاورت تھا جو اس نظام صلوٰۃ کا خاصہ ہے۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح قرآن کے بیان کردہ اصولوں کی جزئیات اپنے زمانہ کے مطابق مقرر فرما دیں۔ مثلاً قرآن کریم میں متعدد مقامات پر واقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ کا حکم آیا ہے مگر دونوں کی کوئی تفصیل موجود نہیں۔ پس صلوٰۃ کا نظام قائم کرکے اس کی یاددہانی اور قرآن فہمی کی مشق کے لئے رسول اللہ نے اپنے طور پر ضروری جزئیات مرتب فرمائیں۔ اور مسجد نبوی میں اجتماعات صلوٰۃ کا ایک طریقہ مقرر فرما دیا اور ساتھ زکوٰۃ کی بھی اپنے زمانہ کے مطابق ایک شرح مقرر کر دی۔ چونکہ زکوٰۃ کی شرح یا نصاب کا قرآن میں ذکر نہیں۔ یہ ایک اصولی حکم تھا جس کا مقصد

لیکن اللہ کا شکر ہے کہ مجھ سے قبل کچھ روشن خیال دانشور اور اہل عقل وفہم لوگوں نے قرآنی صلوٰۃ والا انسانی فلاحی نظام لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کی، میری کوشش بھی ان کی کوششوں کی طرح ایک کوشش ہے مگر یہ کوشش ان پچھلی کوششوں سے اس لحاظ سے منفرد کہی جا سکتی ہے کہ اس میں حتیٰ الوسع ایک منظم ترین انداز میں ترتیب کے ساتھ صلوٰۃ اور نماز کا حقیقی فرق سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ میری اور میرے جیسے دیگر فکر قرآنی رکھنے والے احباب کی مساعی کو باا جر اور ثمر آور بنائے اور ہمیں ان بے روح و بے مقصد پوجا پاٹ جیسی نمازوں سے جان چھڑا کر حقیقی صلوٰۃ قائم کر کے انسانی فلاحی نظام قائم کر کے انسانیت کی خدمت والی حقیقی عبادتِ الٰہی کرنے کی توفیق عطا فرما۔ آخر میں اپنے قارئین سے آخری گزارش ہے کہ وہ پوری بے فکری کے ساتھ اس بے مقصد و بے روح رسمِ نماز کو چھوڑ کر قرآن والی حقیقی صلوٰۃ ان اصولوں کے مطابق قائم کریں جو اس مضمون میں زیر بحث رہے ہیں۔ اور حکمرانوں اور امراء کے گریبان پکڑ کر اپنی لوٹی ہوئی دولت نکلوا کر معاشرہ کے افراد میں منصفانہ تقسیم کے انتظامات کریں تا کہ معاشرہ کے افراد محرومی کے لفظ سے ہی نا آشنا ہو جائیں، استحصالی سرمایہ داری نظام اور دیگر برائیاں ہمیشہ کے لئے تباہ و برباد ہو جائیں ہم سب معاشی فکروں سے آزاد ہو کر انسانیت کی فلاح کے قرآنی پروگرام پر مشترکہ طور پر عمل پیرا ہو کر قرآنی وعدہ کے مطابق دنیا بھر میں غلبہ اور قوت حاصل کر سکیں۔ یہی انبیاء کرام اور اللہ کی کتاب قرآن کریم کے نزول کا مقصد تھا اور ہم بھی اسی مقصد کی تکمیل کے لئے تا دم کوشاں رہیں گے۔ انشا اللہ۔

مضمون کی مزید بہتری یا کسی ضروری اضافہ کے لئے بندہ اہل علم بھائیوں کی تجاویز کا منتظر رہے گا۔

آپ کی دعاؤں اور مفید مشوروں کا طلبگار

القرآنک پاور (فیس بک ایڈریس)

(1۔اجتماعات صلوٰۃ کے لئے اوقات کیوں مقرر کیے گئے؟) یہ نظام صلوٰۃ انسان کی دنیاوی زندگی کی کامیابی اور نوع انسانی کی خوشحالی کے لئے اتنا ہی ضروری ہوتا ہے جیسے انسانی زندگی کے لئے تازہ ہوا۔ ہوا پر انسان کی زندگی کا دارومدار ہوتا ہے اور کوئی انسان ایسا نہیں ہوتا جو ہوا کی انسان کے لئے اہمیت سے انکاری ہو۔ مگر ہم نے دیکھا ہے کہ اکثر ڈاکٹر حضرات مریضوں اور عام انسانوں کو مشورہ دیتے نظر آتے ہیں کہ ''صحت و تندرستی کے لئے کھلی اور تازہ ہوا کی اشد ضرورت ہے''۔ دہرانا اس لئے پڑتا ہے کہ اس کی یاددہانی (ذکر) سے اس کی اہمیت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ اور ہر انسان کو یاد آجاتا ہے کہ ہوا کی اس کے لئے کتنی اہمیت ہے۔

بالکل اسی طرح اللہ نے بھی اس بات کا انتظام کر دیا کہ اس نظام کی یاددہانی کرائی جائے تاکہ اس کے اصول اجاگر ہوتے رہیں اور اس کی اہمیت نظروں سے اوجھل نہ ہونے پائے۔ اسی یاددہانی کا نام صلوٰۃ کا فریضہ موقت ہے۔ یعنی خاص اوقات میں سرانجام دیا جانیوالا اجتماع صلوٰۃ۔

''بے شک صلوٰۃ تم پر مقرر کردہ اوقات میں ہی فرض ہے۔ (سورہ النساء۔ آیت 103)

ان قرآن فہمی کے اجتماعات کی اہمیت کے لئے ہی اللہ نے قرآن میں انہیں ''کتابا موقوتا'' کہا ہے۔ اس کے معانی ہیں ''خاص طور پر مقرر کردہ فریضہ''۔ اور دوسرے معنی ہیں ایسا فریضہ جو ایک وقت پر ہی ادا کیا جاتا ہے۔

یوں تو اہل ایمان کی ساری زندگی صبح شام اللہ کے قوانین کی اطاعت اور ان کے نفاذ کی جدوجہد میں گزرتی ہے۔ لیکن اجتماعات کے لئے ایک خاص وقت کا تعین بہت ضروری ہوتا ہے۔ چاہے یہ اجتماعات معمولاً منعقد ہوں یا ہنگامی طور پر بلائے جائیں۔ ان کو بلایا اسی وقت میں جائیگا جس وقت کا اللہ نے حکم دیا ہوگا۔ چنانچہ فرمایا کہ:

''تم دلوک الشمس سے لے کر رات کی تاریکی تک صلوٰۃ کر سکتے ہو۔ (سورہ بنی اسرائیل۔ آیت 78)

دلوک الشمس میں صبح سے شام تک کا سارا وقت آجاتا ہے۔ اسی آیت کا اگلا حصہ یہ ہے کہ:

''اور علی الصبح بھی قرآنی حقائق پر غور و فکر کیا کرو۔ بلاشبہ فجر کے سکوت و خاموشی کے ماحول میں قرآنی حقائق محسوس و

مشہود شکل میں سامنے آ سکتے ہیں۔" (سورہ بنی اسرائیل۔آیت 78)

اجتماعات صلوٰۃ کے لئے وقت کی پابندی کس قدر ضروری ہے وہ سورہ جمعہ کی اس آیت سے اندازہ لگالیں کہ "جب تمہیں اس اجتماع کے لئے بلایا جائے تو اسے دیگر مصروفیات پر ترجیح دو۔تمام کاروبار چھوڑ کر فوراً اس طرف آ جاو اور جب تک اس سے فارغ نہ ہو جاو، کسی اور کام کی طرف دھیان نہ دینا۔ایسا نہ ہو کہ تمہارا امیر تمہارے سامنے ضروری ہدایات دے رہا ہو اور معاملات پیش کر رہا ہو اور ان کی اہمیت سمجھا رہا ہو اور تم اسے کھڑا چھوڑ کر کاروبار کے لئے نکل کھڑے ہو وو۔ (سورہ الجمعہ۔آیت 11)

(2۔اجتماعاتِ صلوٰۃ کے لئے وضو کیوں ضروری قرار دیا گیا) ہم عام دنیاوی دعوتوں، پارٹیوں اور کانفرنسوں میں شرکت کے لئے جاتے ہیں تو عموماً منہ ہاتھ دھو کر یا نہا کر اور تیاری کے ساتھ پرفیوم وغیرہ لگا کر گھر سے نکلتے ہیں، جب ہماری عقل سلیم ہمیں سماجی مجالس میں تیار ہو کر شرکت پر مجبور کرتی ہے تو پھر اللہ کے دیے ہوئے فلاحی نظام کے نفاذ کے لئے قائم کردہ اجتماعاتِ صلوٰۃ تو پھر ان دنیاوی اجتماعات سے زیادہ اس بات کا حق رکھتے ہیں کہ ان میں تھکان اور اکتاہٹ دور کر کے خود کو تروتازہ کر کے شمولیت کی جائے، اور اس مقصد کے لئے قرآن کریم نے وضو کا طریقہ بھی بیان کیا ہے اور حکم دیا ہے کہ ایسے اجتماعاتِ صلوٰۃ میں شرکت سے پہلے اپنے ہاتھ، چہرہ، کہنیاں اور پاؤں وغیرہ دھو لو تا کہ تم دنیاوی سستی اور تھکان سے تازہ دم ہو کر صلوٰۃ کے اجتماع میں شرکت کرو تا کہ وہاں جو قرآن پڑھا جائے اسے مکمل توجہ اور حاضر دماغی سے سن اور سمجھ سکو۔وضو کے حکم کا یہی مقصد تھا۔

(3۔اجتماعاتِ صلوٰۃ میں اذان کیوں دی جاتی ہے؟) جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ دین اسلام کے انسانی فلاحی نظام (صلوٰۃ) کا بنیادی اصول ہی یہ ہے کہ فلاح اور خوشحالی بھری یہ اسلامی فلاحی زندگی انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی ہے۔اجتماع صلوٰۃ کی تو شروعات ہی اس اصول سے ہوتی ہے کہ "ایک آواز پر بکھرے ہوئے افراد کا ایک مقام اور ایک جگہ پر جمع ہو جانا۔اسی لئے ان اجتماعات کو منعقد کرنے کے لئے لوگوں کو بلانے کے لئے اذان کا انتخاب کیا

گیا۔ تاکہ لوگوں کے سامنے یہ قرآنی حکم ہمیشہ پیش نظر رہے کہ وہ ہمیشہ اپنے مرکز ملت کی اطاعت کریں گے اور جس وقت بھی وہ ہمیں مشاورت اور معاشرتی مسائل کے حل کے لئے اور قرآن فہمی کے اجتماعات کے لئے بلائے گا ہم اسی وقت حاضر ہونگے۔

(4۔ اجتماعات صلوٰۃ میں امام کیوں چنا جاتا ہے؟) اسلامی نظام صلوٰۃ اور تمام اسلامی ریاست کا اگلا فریضہ اطاعت مرکز ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے کہ:

"اللہ کی اطاعت کرو، رسول کی اطاعت کرو اور اپنے درمیان موجود مرکز ملت کی اطاعت کرو"

اجتماعات صلوٰۃ میں اس کا مظاہرہ عملی شکل میں سامنے آجاتا ہے جب یہ اجتماع اپنے درمیان موجود افراد میں سے سب سے بہتر فرد کو امام چن لیتا ہے۔ اور بہتر ہونے کا معیار یہ ہے کہ کس کی زندگی قوانین خداوندی سے سب سے زیادہ ہم آہنگ ہے۔ یہی امام اس اجتماع صلوٰۃ کا نمائندہ ہوتا ہے۔ اس ایک کی آواز پر ہی سب کو اٹھنا بیٹھنا ہوتا ہے اور اسی کی آواز پر جھکنا اور ایک ساتھ کھڑا ہونا۔ جو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اس ملت یا جماعت کے افراد میں کامل ہم آہنگی ہے۔ اس سے معاشرہ کی ناہمواریاں مٹتی ہیں۔ اسی لئے اس صلوٰۃ کا مقصد قرآن فہمی کے اجتماع اور مرکز ملت کی اطاعت کی مشق کے علاوہ معاشرتی ناہمواریاں مٹانا بھی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے کہ:

"اور اجتماعات صلوٰۃ قائم کیا کرو دن کے دونوں اطراف میں۔ یعنی صبح شام اور رات کے کچھ حصہ میں بھی۔ دیکھو معاشرہ میں اگر حسن وتوازن پیدا کرلیا جائے تو اس کی ناہمواریاں اور خرابیاں خود بخود دور ہوتی جاتی ہیں۔ یہ اصول محکم ان لوگوں کے لئے ہے جو اللہ کے قوانین کو اپنے سامنے رکھنا چاہتے ہیں۔ اور صبر واستقامت کے ساتھ اس پروگرام پر عمل پیرا رہو۔ بلاشبہ اللہ ان لوگوں کا اجر ضائع نہیں کرتا جو معاشرہ میں حسن وتوازن پیدا کرتے ہیں۔ پھر دیکھو گزشتہ ادوار کے بااثر لوگوں نے کیوں نہ ایسے پروگرام بنائے جن کے ذریعے دنیا سے فساد اور ناہمواریوں کا خاتمہ ہو جاتا؟" (سورہ ہود۔ آیت 114 تا 116)

(5۔اجتماعات صلوٰۃ میں قبلہ کا تعین کیوں کیا جاتا ہے؟) اسلامی نظام صلوٰۃ کا اگلا اصول یہ ہے کہ یہ نظام ایک ریاست تک محدود نہیں۔ یہ عالمگیر حیثیت رکھتا ہے۔ اور اس نظام کا مرکز محسوس خانہ کعبہ ہے۔ پوری دنیا میں موجود مومنین اس نظام پر مشترکہ طور پر عمل پیرا ہونگے۔ لہذا اجتماع صلوٰۃ میں اس حقیقت کی یاددہانی کرواتے رہنے کے لئے جماعت کا رخ قبلہ کی طرف رکھا جاتا تھا۔ یعنی ساری دنیا کے مسلمانوں کی نگاہ اور نصب العین ایک ہی ہو۔ مسلمانوں کا کعبہ اور قبلہ شروع دن سے ایک ہی رہا ہے۔ وہ ہے مکہ میں موجود بیت اللہ۔ جسے حضرت ابراہیمؑ نے تعمیر فرمایا تھا۔ قرآن میں بھی اسی کے قبلہ ہونے کی صراحت کردی گئی ہے کہ:

"یہ پہلا بین الانسانی مرکز ہے جو پوری انسانیت کے لئے مکہ کے مقام پر بنایا گیا ہے۔ جہاں سے عالم انسانی کو خیرو برکت اور رہنمائی حاصل ہوگی۔ یہ رہنمائی بڑی واضح ہے۔ جس سے ابراہیمؑ کو بلند مقصد حاصل ہوا تھا۔ جو قوم اس تنظیم میں داخل ہوگی، اسے امن نصیب ہو جائیگا۔" (سورہ آل عمران۔ آیت 96)

قبلہ کے تصور کی وضاحت اور کعبہ ہی کے شروع دن سے قبلہ ہونے کی مزید وضاحت اس مضمون کے آخری حصہ میں کی جائیگی۔

(6۔اجتماعات صلوٰۃ میں قرآن کیوں پڑھا جاتا ہے؟) اسلامی نظام صلوٰۃ کا قیام اللہ کے ہی قانون کی رو سے ہوتا ہے۔ اور اس الہامی رہنمائی اور قانون کی موجودگی کے بغیر اسلام یا اسلامی نظام کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔ پس اجتماعات صلوٰۃ کا ایک اہم ترین اور بنیادی مقصد ہی یہ تھا کہ اس اصول اور قانون کی یاددہانی کرائی جائے جو نوع انسانی کی بہتری کے لئے اللہ نے پیش فرمایا ہے۔ اسی لئے وہ قانون اس وقت صرف قرآن کے اندر موجود ہے اور قرآن ہی وہ چیز ہے جس کے بغیر نظام صلوٰۃ قائم نہیں ہوسکتا۔ اس کا مقصد ہی افراد ملت و معاشرہ کی تمام تر توجہ کو قرآن پر مرکوز رکھنا ہے۔ اسی مقصد کی یاددہانی کے لئے یہ اجتماعات صلوٰۃ رکھے گئے تھے۔ اس لئے ان میں قرآن کو دہرایا جاتا تھا تاکہ اس ایمان اور نصب العین کی تجدید ہوتی رہے کہ ہم نے صرف انہیں خدائی فیصلوں کے آگے جھکنا

ہے اور اس کے سوا ہر غیر قرآنی نظام کی مخالفت میں یکجان ہو کر قائم رہنا ہے۔ اسی لئے قرآن کریم میں ان اجتماعات میں قرآن کریم کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

"اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر سکون کے ساتھ پڑھو۔ (تا کہ سب سنتے اور سمجھتے جائیں" (سورہ مزمل۔آیت)

اجتماعات صلٰوۃ (یعنی قرآن فہمی کی مجالس میں شرکت کے لئے بھی اللہ نے حکم دیا تھا کہ اس میں ایسی حالت میں شرکت کرو کہ جو کہو اسے سمجھ بھی سکو۔

"اے لوگو جو ایمان لائے اور اللہ کے قوانین کو قبول کیا ہے، اجتماعات صلٰوۃ میں شمولیت کے لئے ایسی حالت میں نہ جاؤ جبکہ تمہارے ہوش وحواس درست حالت میں نہ ہوں۔ ان اجتماعات میں شرکت ایسی حالت میں کرو کہ جو کچھ کہو یا کہا جائے اسے سمجھ بھی لو۔" (سورہ النسا۔آیت 43)

اسی آیت سے اس بات کا اندازہ لگالیں کہ یہ اجتماعات قرآن فہمی کی غرض سے بلائے جاتے تھے اور ان میں شرکت پورے ہوش وحواس میں کرنی لازم قرار دے دی گئی۔ اس آیت میں لفظ "سکارٰی" سے مراد ہوش وحواس میں نہ ہونا یا نیند وغیرہ میں ہونا ہی نہیں۔ بلکہ اس سے مراد جاہل، غیر حاضر دماغ یا ان پڑھ ہونے کی وجہ سے قرآن کریم کو سمجھ نہ پا رہے ہونا بھی ہے۔ ظاہر ہے جیسا کہ آجکل کی نمازوں میں ہو رہا ہے کہ نہ امام قرآن کو سمجھ رہا ہوتا ہے کہ نمازی مقتدیوں کو قرآن کی سمجھ آ رہی ہوتی ہے۔ تو اس لئے یہ نماز باطل کہلائے گی جس کے شرکا کو قرآن کی سمجھ ہی نہیں آ رہی ہوتی۔ بنیادی مقصد ہی فراموش کر دیا جاتا ہے آجکل۔

(اجتماعاتِ صلٰوۃ میں قرآن پڑھنے سے قبل سورہ فاتحہ پڑھنے کے حکم کا مقصد اور سورہ فاتحہ کی اہمیت) قرآن کریم میں جو سورہ فاتحہ کو آغاز میں رکھا گیا ہے؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ مختصر سی سورت اللہ کی طرف سے نازل کردہ ضابطہ حیات کا مکمل نچوڑ یا خلاصہ ہے۔ اور دوسری طرف اسی خلاصہ کو ہم قرآن کریم کی "فہرستِ مضامین" بھی کہہ سکتے ہیں۔ جیسے عام دنیاوی کتب میں ابتداء ایک "فہرستِ عنوانات" نامی لسٹ (Table of Contents) ہوتی

ہے، بالکل اسی طرح اس عظیم کائناتی کتاب اور انسانی ہدایت نامہ میں بھی جو سات نکاتی منشور اور آئین خداوندی پیش کیا گیا ہے، یہ سورہ فاتحہ اسی آئین کے سات عنوانات کی وضاحت کرنے والی سات آیاتی سورہ ہے جسے ہم قرآن کریم کی Summary کہتے ہیں۔

''اے رسول ﷺ ۔ بیشک ہم نے آپکو سات دہرائے ہوئے عنوانات یعنی قرآن کریم جیسی عظیم کتاب عطا کی ہے'' (سورہ الحجر۔آیت 87)۔

اللہ نے اس آیت میں قرآن کریم کو ساتھ دہرائے ہوئے عنوانات قرار دیا ہے۔ اب اسکی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ یا تو پوری کتاب کو سات حصوں میں تقسیم کر کے ہر حصہ کے عنوان کے طور پر اس کی سرخی دے دی جائے، یا پھر ایک ہی جگہ پر اکٹھے ساتوں عنوانات بیان کر دئے جائیں۔ یہی کام سورہ فاتحہ نازل کر کے کیا گیا ہے، کیونکہ قرآن نہ تو سات حصوں میں منقسم ہے اور نہ ہی ہر حصہ کی ابتداء میں اس کے عنوانات درج کیے گئے ہیں بلکہ قرآن کے آغاز میں ہی سورہ فاتحہ میں سات عنوانات کی فہرست دے کر قرآن کا پیش لفظ بنا دیا گیا ہے۔ اسی لئے سورہ فاتحہ کو ہم قرآن کا ''افتتاح'' کرنے والی سورہ کہہ کر پکارتے ہیں)۔ اس سورہ پر مزید تفصیلی گفتگو کسی اور مضمون میں ضرور کی جائیگی، فی الحال ہم اس کی قرآن فہمی کے اجتماعاتِ صلوٰۃ میں اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے بتانا چاہتے ہیں کہ اسے اس صلوٰۃ کا حصہ اسی لئے بنایا گیا اور پڑھنا لازم قرار دیا گیا کہ پہلے قرآن کریم کے خلاصہ کی صورت میں مکمل قرآنی تعلیم کا اعادہ ہو جائے پھر آگے قرآن کریم کے دیگر حصے سلسلہ وار پڑھے جائیں۔ یعنی ہر اجتماعِ صلوٰۃ میں پہلے قرآن کا منشور لوگوں کو ہر بار یاد دلایا جائے۔ اور پھر قرآن کریم کو سلسلہ وار حصہ بہ حصہ ہر اجتماع میں پڑھ کر لوگوں کے دلوں پر نقش کیا جائے۔

(7۔ اجتماعاتِ صلوٰۃ میں مشاورت کیوں ضروری کہی گئی تھی) اجتماعاتِ صلوٰۃ کا نفاذ محض اس یاددہانی کے لئے ہی نہیں تھا کہ مرکزِ ملت کی اطاعت اجتماعی طور پر کی جائے اور لوگوں کے ذہنوں میں قرآنی احکامات مسلسل بٹھائے جائیں۔

بلکہ ان اجتماعات میں امت کے معاملات کے متعلق مشاورت کا بھی حکم تھا۔اور دور رسالت اور دور خلافت راشدہ میں ایسا ہوتا بھی تھا۔یہ دراصل قرآنی حکومت کی ''مجلس مشاورت'' کے اجتماع ہوتے تھے۔چنانچہ سورہ الشوریٰ میں مومنین کی صفات یہ بتائی گئی ہیں کہ:

''یہ لوگ اقامت صلوٰۃ کرتے ہیں اور ان کے معاملات باہمی مشورہ سے طے پاتے ہیں''۔(سورہ الشوریٰ)

یہاں اقامت صلوٰۃ اور باہمی مشاورت کا یکجا حکم صلوٰۃ کے اجتماعات کے حقیقی مقصد کو ظاہر کرتا ہے کہ اجتماع صلوٰۃ مشاورت کی غرض سے بھی بلائے جائیں گے۔۔چنانچہ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ خلافت راشدہ میں جب کوئی مسئلہ یا معاملہ درپیش ہوتا تو خلیفہ کی طرف سے منادی کرائی جاتی کہ ''الصلوٰۃ الجامعہ''۔لوگ مسجد نبوی میں جمع ہوتے۔پہلے دو رکعت صلوٰۃ ادا ہوتی پھر خلیفہ معاملہ کی وضاحت کرتا اور مجلس کے باہمی مشورہ اور تجاویز سے اس کے متعلق فیصلہ کیا جاتا۔

(8۔اجتماعات صلوٰۃ میں رکوع اور سجدہ کیوں کیا جاتا ہے؟) رکوع رکع سے اخذ کیا گیا ہے۔جس کا مطلب ہے منہ کے بل جھکنا یا گر جانا،خواہ اس میں گھٹنے زمین پر لگیں یا نہ لگیں البتہ سر جھک جائے،بوڑھے شخص کے لئے جو کمزور اور لاغر ہو جائے ''رکع الشیخ'' کہتے ہیں۔کیونکہ ایسی کمزوری میں انسان ذرا جھک جاتا ہے۔

یہ لفظ کبھی بالخصوص جسمانی شکل میں جھکنے کے لئے اور کبھی عجز وانکساری کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔خواہ طبعی طور پر جھکنا ہو یا علامتی طور پر کسی حکم کے آگے سر جھکا دینا ہو۔چونکہ انسان کے جسم کی طبعی حرکات اس کے دلی جذبات کی ترجمان ہوتی ہیں۔مثال کے طور پر جب ہم ''نہیں'' کہتے ہیں تو اس کے ساتھ ہی ہمارا سر خود بخود دائیں سے بائیں ہل جاتا ہے۔اور جب ''ہاں'' کہتے ہیں تو سر کی حرکت خود بخود اوپر سے نیچے ہو جاتی ہے۔

سجدہ کے معنی بھی جھکنے کے ہیں۔''نخلۃ ساجدۃ'' سے مراد جھکا ہوا درخت ہے۔وہ درخت جو پھل کے بوجھ سے جھک جائے۔اس مادہ کے معنی طبعی طور پر انسان کے سر یا کسی چیز کے جھک جانے کے ہیں۔لیکن انسانی جسم کی حرکات و

سکنات کے پیچھے ایک جامع فلسفہ کارفرما ہے۔ جسے دورحاضر کی اصطلاح میں متوازیت کہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے ذہن کے ارادے اور اس کے جسم کی حرکت میں گہرا تعلق ضرور ہوتا ہے۔ اور یہ دونوں متوازی چلتے ہیں۔ مثلاً جب آپ لیٹے لیٹے کسی کام کا ارادہ کرتے ہیں، یا کام یاد آجاتا ہے تو اس خیال کے ساتھ ہی اٹھ بیٹھتے ہیں۔ اور جب آپ آرام کا ارادہ کرتے ہیں تو بیٹھ یا لیٹ جاتے ہیں۔ جب آپ کسی بات پر ہاں کہتے ہیں تو آپ کا سر ساتھ ہی اوپر نیچے ہل جاتا ہے۔ ناں کریں تو سر دائیں بائیں حرکت کرتا ہے۔ جب آپ کسی کا احترام کرتے ہیں تو ادب سے ہاتھ اٹھا دیتے ہیں یا سر جھکا دیتے ہیں۔ اس حقیقت کا اثر زبان پر بھی پڑتا ہے اور ان الفاظ سے اور ان کیساتھ جسم کی حرکات سے اس جذبہ کا اظہار مقصود ہوتا ہے جو اس حرکت کی وجہ ہے۔ مثلاً جب ہم یہ کہیں کہ اس نے میرے حکم کے سامنے سر جھکا دیا۔ تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ اس نے حکم کی تعمیل کی یا حکم تسلیم کرلیا۔ محض یہ نہیں کہ اس نے حکم کے سامنے صرف طبعی طور پر سر جھکایا۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ اس نے حکم کو تسلیم کرلیا اور اس کی تعمیل کی۔ اور جب ہم کہتے ہیں کہ اس نے حکومت کے قانون سے سرکشی اختیار کی تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس نے اس قانون کو ماننے سے انکار کیا اور حکومت کے خلاف بغاوت کردی۔

قرآن کریم بھی چونکہ ایک خاص زبان ''عربی'' میں بات کرتا ہے۔ پس اس کے ہاں بھی اظہار مطالب کا یہی انداز ہے۔ اس اعتبار سے اس نے سجدہ کا لفظ اطاعت اور فرمانبرداری کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے کہ:

''آسمانوں اور زمین میں جس قدر جاندار ہیں اور ملائکہ ہیں وہ سب اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہیں۔ (یعنی اللہ کے مطیع و فرمانبردار ہیں اور حکم سے سرکشی نہیں کرتے)۔ جس جس فرض منصبی پر انہیں روز ازل سے لگایا گیا ہے وہ لگے ہوئے ہیں۔'' (سورہ النحل۔ آیت 49)

اس آیت میں یسجد لفظ کا مفہوم ''لایستکبرون'' نے واضح کردیا ہے۔ یعنی وہ اللہ کے قوانین سے سرکشی نہیں کرتے بلکہ ان کی اطاعت کرتے ہیں اور اس کی مزید وضاحت اس سے اگلی آیت نے کردی کہ:

"انہیں جو کچھ حکم دیا جاتا ہے وہ اس پر عمل کرتے ہیں۔" (سورہ النحل۔آیت 50)

"ہر شے اللہ کے قوانین کے سامنے جھکی ہوئی ہے، جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے۔ خوشی سے یا مجبوری سے" (سورہ الرعد۔آیت 15)

انسان کا محسوس طور پر اللہ کے سامنے سر جھکا دینا، اس کے جذبہ اور ارادہ کا ایک محض محسوس مظاہرہ ہوگا۔ کہ وہ اللہ کے قوانین کے آگے سر تسلیم خم کرتا ہے۔ یعنی وہ اللہ کے ہر قانون کی اطاعت کا عہد کرتا ہے۔ لیکن اگر اس عہد کا اس کے عمل کے ذریعے اظہار نہیں ہوتا تو وہ سجدہ و رکوع محض دکھاوا ہی ہوگا جیسا آجکل کی نمازوں میں ہے۔ اس سجدہ سے کوئی معنی اور اہمیت نہیں ہوگی۔ یہی وہ حقیقت ہے جسے قرآن نے واضح کیا ہے:

"نیکی اس میں نہیں کہ تم اپنے منہ مشرق کی طرف کر لو یا مغرب کی طرف، بلکہ نیکی اور کشادگی کی راہ اس میں ہے کہ تم اللہ کے نظام و قوانین کے مطابق زندگی بسر کرو"۔ (سورہ البقرہ۔آیت 177)

اگر انسان اللہ کے قوانین قرآنی کی اطاعت نہ کرے اور صرف ظاہری رکوع سجدہ جیسی محسوس شکل کو ہی اپنی زندگی کا مقصد سمجھ لے اور ظاہری سجدے کرتا رہے تو اللہ کے میزان میں اس کا کوئی وزن نہیں ہوگا۔ یہ تو ایسی ہی صورتحال ہوگی کہ مالک نوکر سے کہے کہ جاؤ فلاں چیز لے آؤ۔ اور نوکر وہ چیز لانے کی بجائے آگے سے صرف زبانی ہاں میں سر ہلاتا جائے اور چیز نہ لا کر دے یا سجدہ کر کے دکھا دے۔ تو مالک کو جو غصہ چڑھے گا وہ آپ خوب سمجھ سکتے ہیں۔ سورہ الماعون میں ایسے ہی لوگوں کے لئے ارشاد ہے کہ:

"بربادی ہے ایسے جعلی مصلین (نمازیوں) کے لئے جو صلوٰۃ کی حقیقت سے بے خبر ہیں۔ یہ لوگ ایک طرف تو دکھاوے کی "عبادت" کرتے ہیں اور دوسری طرف رزق اور پیسے کے سرچشموں کے آگے بند باندھ کر نوع انسانی کو سامان زندگی سے محروم کر دیتے ہیں۔"

پس اس ساری وضاحت سے واضح ہو گیا کہ اجتماعات صلوٰۃ میں رکوع اور سجدہ کو کیوں رکھا گیا۔ اور قرآن کریم کی رو

سے سجدہ ورکوع کا حقیقی مفہوم کیا ہے۔

"واقیمو الصلوٰۃ واتو الزکوٰۃ وارکعو مع الراکعین۔(سورہ البقرہ۔آیت 43)

"انسانی فلاحی نظامِ حیات (صلوٰۃ) قائم کرو اور انسانی پرورش ونشوونما کا انصاف پر مبنی انتظام (زکوٰۃ) کرو اور (اللہ کے انہی قوانین کے آگے سرِ تسلیم خم کر کے جھکے رہو جیسے دوسرے جھکے ہوئے ہیں (دیگر مخلوقاتِ کائنات، اجرامِ فلکی، زمینی مخلوقات وچرند تا بعدار انسان)"

یہ ہے قرآن میں بیان کردہ رکوع وسجدہ کا حقیقی مفہوم۔آگے بڑھیے۔

یہی وہ حقیقی صلوٰۃ کے اجتماعات تھے جو دورِ رسالت میں رسول اللہ ﷺ نے منعقد کیے اور بعد میں خلفاء راشدین نے ان کا سلسلہ کامیابی سے جاری رکھا۔ان اجتماعات کا مقصد لوگوں کو مرکزِ ملت کی اطاعت کی یاددہانی کروانا، قرآن فہمی اور قرآنی احکامات کی یاددہانی کرواتے رہنا اور باہمی اتحاد ویگانگت قائم رکھنا تھا۔مروجہ نماز ان تینوں مقاصد میں سے کوئی بھی مقصد پورا نہیں کرتی۔اسی لئے باطل ہے اور اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے۔

عیدین اور صلوٰۃِ جنازہ جیسے Occasional یا ہنگامی اجتماعاتِ صلوٰۃ کی وضاحت

ویسے تو قرآن میں بیان کردہ قرآن فہمی کے مندرجہ بالا اجتماعاتِ صلوٰۃ سلسلہ وار بھی منعقد کئے جانے کے لئے ہیں اور مشاورت کی غرض سے ہنگامی طور پر بھی۔لیکن ان کے علاوہ کچھ اجتماعات اور ہوتے ہیں جو موقع کی مناسبت سے اظہارِ تشکر کے طور پر یا کسی مسلمان کے وفات پانے پر اس کی اجتماعی دعائے مغفرت کی غرض سے منعقد کئے جاتے ہیں۔اور آج بھی کم از کم ان کا مقصد وہی ہے جو دورِ رسالت سے چلا آرہا ہے (یعنی دعائے مغفرت اور عیدین کا سالانہ اجتماع)۔

اگرچہ ان کا مقصد عام قرآن فہمی ومشاورت کی غرض سے مسجد میں ہونے والے اجتماعات سے قطعاً مختلف تھا مگر ان کے لئے طریقہ اور ادائیگی کا انداز وہی رکھا گیا جو مسجد میں مسلسل منعقد کیے جانیوالے قرآن فہمی وباہمی مشاورت کے

اجتماعاتِ صلوٰۃ کا تھا۔ البتہ جنازہ میں سجدہ ورکوع کی ممانعت کردی گئی۔ کیونکہ یہ میت کی دعائے مغفرت کا اجتماع تھا نہ کہ مرکزِ ملت کی اطاعت کی مشق اور اللہ کے قوانین کے آگے خود کو جھکا دینے کا اجتماع۔

قرآن کریم میں ایک خاص ترتیب کے ساتھ صلوٰۃ (نماز) کا طریقہ نہیں آیا۔

صلوٰۃ کا طریقہ نبی کریم ﷺ نے مقرر فرمایا تھا۔ ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عمر بھر اسی طریقہ سے صلوٰۃ ادا کی اور صحابہ کرامؓ کو بھی پڑھائی۔ اس وقت سے لیکر اس وقت تک یہ عمل امت میں متواتر چلا آرہا ہے۔ اس سے لازماً ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ساری امت میں نماز کا ایک ہی طریقہ ہوتا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ امت کے مختلف فرقوں میں نماز کی جزئیات میں اختلاف ہے۔ اور ہر فرقہ کا یہ دعویٰ یہ ہے کہ جس طریقہ سے وہ نماز ادا کرتا ہے، رسول اللہ ﷺ کا وہی طریقہ تھا۔

میرا سوال یہ ہے کہ کیا یہ سوچا جاسکتا ہے کہ مروجہ تمام طریقے رسول اللہ کے تھے اور رسول اللہ ﷺ نے پہلے ایک طریقہ سے نماز پڑھی پھر اس طریقہ کو چھوڑ کر دوسرے طریقہ سے نماز پڑھنی شروع کردی؟ اس لحاظ سے یہ تمام طریقے رسول اللہ ﷺ کے ہیں۔ یا رسول اللہ ﷺ کے دور میں کچھ لوگ شیعہ جیسی نماز پڑھتے تھے اور کچھ حنفیوں جیسی۔ یا کچھ لوگ اہلحدیثوں والی نماز پڑھتے تھے اور کچھ دیوبندیوں والی۔ یا خود رسول اللہ ﷺ کی یہ کیفیت تھی کہ کبھی آپ ایک طریقہ سے نماز پڑھانی شروع کردیتے اور کبھی دوسرے سے۔ ظاہر ہے ایسا تو کبھی نہیں ہوتا ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ ایک جیسی ہی نماز پڑھتے اور پڑھاتے ہونگے اور ساری امت ایک جیسی ہی نماز پڑھتی ہوگی۔ دین میں اختلاف کی تو گنجائش ہی نہیں۔

تو پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ ذہن نشین کرلینا چاہیے کہ جب رسول اللہ نے پہلے طریقہ کو چھوڑ کر دوسرا اختیار کیا تو امت کے لئے اس دوسرے طریقہ کی پیروی اتباع سنت ہوگئی جبکہ پہلا طریقہ منسوخ ہوگیا۔ پھر کسی فرقے کا پہلے طریقہ پر کاربند رہنا اور اسے اتباعِ سنت کہنا غلط ہوگا۔ دوسری بات یہ کہ اگر مختلف فرقوں کے ہاں رواج پذیر تمام طریقے رسول

اللہ ﷺ کے ہی ہیں تو پھر یہ آپس کی لڑائیاں کیوں؟؟؟؟ لڑائیاں بھی اتنی شدید کہ ایک فرقہ والا مسلمان دوسرے فرقہ کی مسجد میں نماز نہ خود پڑھنا پسند کرتا ہے کہ اس نماز کو جائز سمجھتا ہے اور نہ ہی یہ پسند کرتا ہے کہ دوسرے فرقہ کا کوئی بندہ آ کر اس کی مسجد میں اس کے ساتھ کھڑا ہو کر اپنے طریقہ کی نماز پڑھنے کی جرات بھی کرے۔ ایسا کرنے پر کئی لوگ اپنی مسجدوں کے فرش تک دھوتے دیکھے گئے ہیں۔

اختلاف کی شدت یہاں تک ہے کہ چار دوست بیٹھے باتیں کر رہے ہیں اور ادھر اذان ہونے لگی ہے تو چاروں دوست جو پہلے اکٹھے بیٹھ کر باتیں کر رہے تھے اب اٹھ کر چار مختلف مساجد کا رخ کریں گے تاکہ "صلوٰۃ" ادا کی جا سکے۔ یہ ہے وہ "اتفاق و اتحاد" جو ان مسلمانوں میں ان کی نمازیں مرتب کر رہی ہیں۔

اس سلسلہ میں فرقہ اہل حدیث اور اہل قرآن کی باہمی چپقلش بہت مضحکہ خیز ہوتی ہے۔ اہل حدیث حضرات کا اعتراض ہوتا ہے کہ اگر ہم قرآن کو مانیں اور حدیث کو نہ مانیں تو نماز کیسے پڑھیں؟ جبکہ اس کے جواب میں اہل قرآن کہتے ہیں کہ آپ یہ فرمایئے کہ احادیث کی موجودگی میں ہم نماز کیسے پڑھیں؟ کیونکہ احادیث سے تو نماز کی کوئی ایک شکل متعین ہی نہیں ہوتی۔ پوری نماز کی ایک شکل تو کجا، ایک ایک تفصیل کے لئے اختلافی احادیث ملتی ہیں۔

قارئین۔ آپ اب اپنی ایمانداری سے بتائیں کہ کیا ہمارا آج کی نمازیں مندرجہ بالا تمام قرآنی مقاصد پورے کرتی ہیں؟؟؟؟؟؟ فیصلہ آپ پر چھوڑتا ہوں۔

مروجہ غیر قرآنی نماز کے متعلق بخاری میں درج ایک وضعی روایت کا ایک تنقیدی جائزہ

مولوی اکثر و بیشتر بڑا جھوم جھوم کر بخاری میں موجود انس بن مالک کی یہ روایت سناتا ہے کہ:

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ معراج کے سفر پر میری امت پر پچاس وقت کی نمازیں فرض ہوئیں۔ لیکن جب میں حکم لے کر واپس موسیٰ کی طرف آیا تو انہوں نے پوچھا کہ اللہ نے تمہاری امت پر کیا فرض کیا ہے؟ میں نے کہا کہ پچاس وقت کی نمازیں۔ وہ کہنے لگے کہ اپنے رب کے پاس واپس جاؤ کیونکہ تمہاری امت میں اتنی طاقت نہیں۔ مجھے بنی

اسرائیل کا تلخ تجربہ ہے۔تیری امت اتنی نمازیں نہیں پڑھ سکے گی۔میں نے واپس جا کر اللہ سے درخواست کی تو اللہ نے آدھی نمازیں ساقط کردیں۔جب میں موسیٰ کے پاس آیا تو انہوں نے دوبارہ کہا کہ اپنے رب کے پاس واپس جاؤ تمہاری امت یہ نمازیں بھی نہیں پڑھ سکتی۔میں پھر رب کے پاس گیا تو اللہ نے مزید کمی کرتے ہوئے پانچ وقت کی نمازیں باقی رکھیں۔مگر ثواب پچاس کا ہی کہا۔اور ساتھ کہا کہ میرے حکم میں تبدیلی نہیں ہوتی۔اس کے بعد میں جب واپس موسیٰ کے پاس گیا تو انہوں نے مجھے دوبارہ رب کے پاس بھیج کر تخفیف کرانی چاہی مگر میں نے اس بار کہا کہ نہیں۔مجھے شرم آتی ہے۔(بخاری کتاب الصلوٰۃ۔جلد اول صفحہ 238)

یہودیوں کی گھڑی ہوئی روایت

یہ حدیث ہر خاص وعام کی زبان پہ ہوتی ہے۔لیکن آپ ذرا اس حدیث پر غور فرمائیں۔اللہ حکم دینے والا اور رسول اس حکم کو لے کر امت کی طرف لانے والے۔اللہ نے اپنے نبی کو پچاس نمازوں کا حکم دے دیا اور رسول ﷺ اس حکم کو لے کر چلے آئے۔نہ تو اللہ تعالیٰ کو (معاذ اللہ) احساس ہوا کہ میں کیسا ناممکن العمل حکم دے رہا ہوں اور نہ رسول اللہ کو معاذ اللہ اس کا احساس ہوا کہ امت اس بوجھ نا تواں کو کیسے اٹھائے گی۔دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں پچاس نمازیں۔مطلب ہر آدھے گھنٹے بعد نماز۔پھر بھی 24 x 2=48۔اڑتالیس نمازیں ہی پڑھی جا سکیں گی اور دو نمازیں پھر رہ جائیں گی۔یعنی ہر آدھے گھنٹے بعد نماز کی ادائیگی سے بھی پچاس پوری نہیں ہوتیں۔اس طرح امت مسلمہ دنیا کا کوئی اور کام کرنے کی بجائے صرف نمازیں پڑھتے جوگی ہی رہ جائے گی۔نہ اس کا احساس باری تعالیٰ کو ہوا نہ نبی اکرم ﷺ کو (نعوذ باللہ)۔اگر احساس ہوا بھی تو کس کو؟؟؟ موسیٰ کو۔اور پھر موسیٰ کے کہنے پر رسول اللہ کو بھی احساس ہو گیا کہ واقعی موسیٰ کی بات تو ٹھیک ہے۔اللہ میاں نے یہ کیا دے دیا۔پھر وہ پلٹے اور اللہ کے پاس گئے اور موسیٰ کا پیغام دیا۔تب اللہ کو بھی احساس ہو گیا کہ واقعی یہ پچاس نمازوں کا حکم دیکر اس نے (معاذ اللہ) غلطی کی۔پھر ایک دو نہیں۔اکٹھی پچیس نمازیں ساقط کردیں۔

اب اللہ نے سمجھ لیا کہ حکم ٹھیک ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ بھی مطمئن ہو گئے۔ لیکن موسیٰ نے پھر کہا کہ نہیں۔ اب بھی زیادہ ہیں نمازیں۔ واپس جاؤ۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کو بھی غلطی کا احساس ہوا اور وہ واپس بھاگے اور اب اللہ کو بھی ایک بار پھر اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تو نمازیں پچیس سے پانچ کر دیں۔ جب نبی اکرم ﷺ واپس تشریف لائے تو اس بار پھر موسیٰ نے اعتراض کیا کہ نہیں بھئی۔ اب بھی زیادہ ہیں۔ لیکن اس بار یہ بات سن کر نبی اکرم ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ نہیں موسیٰ، اب کی بار حکم مناسب ہے۔ بلکہ یہ کہا کہ (تم کہتے تو ٹھیک ہو مگر) مجھے اب بار بار جاتے ہوئے شرم آتی ہے۔ اس لئے جو ہو گیا سو ہو گیا۔ مٹی پاؤ۔ پس پانچ نمازوں کا "تحفہ" لیکر رسول اللہ آسمان کی سات منزلہ پلازہ سے نیچے اتر آئے۔

دیکھا آپ نے۔ دین کا ایک اہم ترین حکم "اقامتِ صلوٰۃ" کس طرح متعین ہو رہا ہے؟ عجیب تماشا ہے یہ سب۔ صرف اتنا عرض کرنا چاہوں گا کہ ذرا یہ سوچیں کہ یہ اور اس جیسی دیگر توہین رسالت پر مبنی روایات جب غیر مسلموں کے سامنے آتی ہونگی تو وہ ہمارے اللہ اور رسول کا کیا کیا مذاق نہ اڑاتے ہونگے۔

اس روایت سے صاف یہ نظر آتا ہے کہ یہ کسی شریر یہودی نے گھڑی ہے تا کہ اس سے موسیٰ کی فضیلت اللہ اور محمد رسول اللہ ﷺ پر ثابت ہو جائے (معاذ اللہ)۔ اور مسلمانوں کو بتا دیا جائے کہ یہ ہے ہمارے نبی کے سامنے تمہارے محمد ﷺ کی حیثیت۔ لیکن اس یہودی کا کیا گلہ؟ اس کا تو کام ہی یہ تھا۔ گلہ تو مسلمانوں سے ہے جو ہزار سال سے اس بکواس کو سینے سے لگائے پھر رہے ہیں اور جب کوئی اس طرح کی روایت پر تنقید کرے تو کافر کافر، منکر حدیث، منکر نماز کہہ کر اس پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔

اس داستان سے وہ یہودی کیا ثابت کرنا چاہتا تھا؟ ذرا سنیئے۔ کہ امت کی استعداد و گنجائش کا نہ نبی کو علم تھا نہ اللہ کو۔ اگر موسیٰ بیچ میں نہ پڑتے تو امت کو تو چونا لگا دیا تھا نہ اللہ اور نبی نے مل کر (معاذ اللہ)۔ پچاس نمازیں فرض ہو جاتیں تو یہ صبح سے شام تک نمازیں ہی پڑھتے رہتے اور بیچ میں نہ کھانا کھا سکتے نہ کوئی اور کام کر سکتے اور نہ سو سکتے۔ مجبوراً ہر کوئی

اسلام کو چھوڑ کر کوئی اور راستہ اختیار کرتا۔ یہ تو موسیٰ (بنی اسرائیل کے نبی) کی داد دیجئے جس کی عقل عین وقت پر کام آئی اور اس اللہ محمد ﷺ (عرب کے نبی) اور مسلمانوں کو بچالیا ورنہ اللہ ورسول تو ایک بڑی غلطی کر بیٹھے تھے (معاذ اللہ)۔

واہ۔ کیا زبردست داستان تراشی ہے کہ موسیٰ کو اللہ اور رسول آخر ﷺ کا معلم ودانش بنا ڈالا۔ کاش ایسی چالاکی و ذہانت مسلمانوں کے پاس بھی ہوتی تو یہ کبھی دنیا میں ذلیل ورسوا نہ ہوتے۔

اور یہ آخری فقرہ بھی خوب تراشا کہ "ہم اپنا قول نہیں بدلا کرتے"۔ اگر نہیں بدلا کرتے تو پھر پچاس سے پچیس اور پچیس سے پانچ کیوں کیں؟ اور یہ بھی خوب کہا کہ پانچ کو پچاس کے برابر ہی سمجھو۔ اور یہ نہیں بتایا کہ آیا پچاس کو بھی پانچ کے برابر سمجھ سکتے ہیں یا نہیں؟ (افسوس)

قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ:

"اللہ دین کے معاملہ میں تم پر آسانی چاہتا ہے، تنگی نہیں" (سورہ ۔۔۔)

جب اللہ خود دین کے معاملہ میں آسانی چاہتا ہے تو رسول ﷺ کو بھی دین کے معاملہ میں نمازوں میں تخفیف کے لئے پیش نہیں ہونا چاہیے تھا۔

دوسری طرف امام بخاری ہی اپنی ایک حدیث میں لکھتے ہیں کہ:

"اور مجاہد نے کہا کہ جو شخص شرم کرے، مغرور ہو اس کو علم نہیں آئے گا۔ اور عائشہؓ نے کہا کہ انصار کی عورتیں بھی کیا عورتیں ہیں۔ انکو شرم نے دین کی سمجھ حاصل کرنے سے نہیں روکا۔ (بخاری۔ کتاب العلم۔ جلد اول۔ صفحہ 161)

لیکن یہ نماز والی روایت کہتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے محض شرم کے باعث نمازوں میں مزید تخفیف نہیں کرائی۔ اس کا کیا مطلب لیا جائے؟؟؟؟؟ خود فیصلہ کر لیجئے۔ فی الحال آگے چلئے اور دیکھئے کہ دور خلافتِ راشدہ میں نظام صلوٰۃ کی تیسری شکل (قرآن فہمی کی غرض سے اجتماعاتِ صلوٰۃ) کی کیا صورت تھی۔

دورِ خلافت راشدہ میں اجتماعات صلوٰۃ کی کیفیت

اسلام کا انسانی فلاحی نظام صلوٰۃ صرف رسول اللہ ﷺ کے دور تک ہی محدود نہیں تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد یہ سلسلہ ختم ہو جاتا۔ اسے تو قیامت تک مسلسل آگے چلتے رہنا اور قائم رہنا تھا۔ چنانچہ وفات رسول ﷺ کے بعد یہ نظام صلوٰۃ خلافت راشدہ کی صورت میں قائم ہوا۔ اور اب اس نظام کی صورت کچھ اس طرح ہو گئی کہ "اللہ اور رسول کی اطاعت" سے مراد اللہ کی اس اسلامی نظام کے ذریعے اطاعت جس نظام کا مرکز ملت ابو بکر صدیقؓ تھے۔ اس زمانہ میں انداز یہ تھا کہ قرآنی نظام کی اطاعت اسی طرح کرائی جاتی تھی جس طرح رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ہوتی تھی۔ احکام تو ظاہر ہے غیر متبدل ہیں۔ ان میں کسی قسم کی تبدیلی کا کسی کو حق نہیں پہنچتا۔ صلوٰۃ، زکوٰۃ، حج، صوم وغیرہ یہ سب احکام ہیں جو ہمیشہ نافذ رہیں گے۔ باقی رہی ان کے ادا کرنے کا طریقہ وتفاصیل جنہیں ہم جزئیات کہتے ہیں، وہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے تقریباً وہی رکھیں جو رسول اللہ ﷺ نے اپنے زمانہ کے لئے مرتب فرمائی تھیں۔ کیونکہ وفات رسول کے بعد بھی زمانہ کے تقاضے تقریباً وہی رہے۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کا سنہری دور آتا ہے۔ انہوں نے دور رسالت کی جن جزئیات میں تبدیلی کی ضرورت نہ تھی، انہیں ویسے ہی رہنے دیا، مگر جن جزئیات میں حالات کی تبدیلی کے سبب کسی تغیر تبدل کی ضرورت محسوس ہوتی، ان میں انہوں میں ضروری تبدیلیاں بھی کیں۔ جہاں جہاں نئی شقوں کی ضرورت پڑی، ان کا اضافہ کیا گیا۔ چنانچہ اس زمانہ فاروقؓ میں رسول اللہ ﷺ کی متعین کردہ جن جزئیات میں تبدیلیاں کی گئیں یا جن نئی شقوں کا اضافہ کیا گیا ان کی تفصیل تاریخ میں موجود ہے۔ ان تبدیلیوں کو جاننے کے لئے علامہ پرویز کی شہرہ آفاق کتاب "شاہکار رسالت" پڑھی جا سکتی ہے۔

اور پھر حضرت عثمانؓ کے دور مبارک میں بھی زمانہ کے مطابق جزئیات میں تبدیلیاں کی گئیں۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ قرآن کریم نے ہر احکام کی تفصیل خود ہی کیوں بیان نہیں کی۔ اور یہ بھی پتا چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دور میں مرتب کردہ جزئیات کو محفوظ اور کتابی شکل میں امت کو کیوں نہیں دیں۔ کیونکہ ان جزئیات کو ہمیشہ غیر متبدل

نہیں رہنا تھا۔قرآن کے احکام اور اصولوں کو ہمیشہ غیر متبدل رہنا ہے۔اس لئے انہیں محفوظ کر دیا گیا جبکہ ان اصولوں کی روشنی میں جن جزئیات کو مرتب ہونا تھا وہ زمانہ کے حالات کے مطابق ہمیشہ تبدیل ہوتی رہنی تھیں۔اس لئے ان کو رسول اللہ ﷺ نے محفوظ نہیں فرمایا۔اس کی ضرورت ہی نہیں تھی۔صحابہ کرامؓ بھی اس حقیقت سے باخبر تھے۔اسی لئے خلفاء ثلاثہ نے خود بھی احادیث کو محفوظ کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی بلکہ اس سے سختی سے روکا۔اس لئے کہ اگر انہیں محفوظ کر دیا جاتا تو بعد میں انہیں بھی قرآن کی طرح غیر متبدل سمجھ لیا جانا تھا۔

جب تک خلافت کا نظام خداوندی قائم رہا، یہ حقیقت نگاہوں کے سامنے رہی اور خدا اور رسول کی اطاعت احادیث کے بغیر ہوتی چلی گئی۔اس کے بعد بدقسمتی سے یہ سلسلہ قائم نہ رہا اور خلافت ملوکیت میں تبدیل ہو گئی۔دین اپنی حقیقی شکل میں محفوظ نہ رہا۔اس کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا، مذہب اور سیاست۔امور سلطنت و سیاست کو سلاطین نے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔اور مذہبی امور و عقائد، عبادات یا زیادہ سے زیادہ نکاح، طلاق سے متعلق شخصی قوانین علماء کہلانے والی مذہبی پیشوائیت کے سپرد کر دیئے گئے۔اب خدا اور رسول کی اطاعت کا وہ تصور بھی باقی نہ رہا۔اس لئے کہ جب حکومت کا ہی فرض احکام خداوندی کا نفاذ نہ رہا تو اس کی اطاعت بھی خدا اور رسول کی اطاعت کیسے رہ سکتی تھی؟ وہ صرف حکومت اور اقتدار و آمریت بن کر رہ گئی۔

اس وقت سوال یہ اٹھا کہ اب خدا اور رسول کی اطاعت کیسے کی جائے۔اب اگر امت کی قسمت نیک ہوتی تو اس وقت یہ فیصلہ دیا جاتا کہ ہمیں وہ اسلامی فلاحی نظام پھر سے قائم کرنا چاہیے جس میں نظام خداوندی کی اطاعت ہی ''خدا و رسول کی اطاعت'' ہوتی تھی۔لیکن ایسا نہ کیا گیا۔اس کے بعد اس کے سوا کوئی چارہ ہی نہ باقی بچا کہ خدا کی اطاعت قرآن کے ذریعے کی جائے اور رسول کی اطاعت رسول ﷺ کے ارشادات کی فرمانبرداری سے۔اس صورتحال سے پھر حدیثوں کو جمع کرنے اور منضبط کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی۔اس کے بعد چونکہ آج تک خلافت علیٰ منہاج النبوت کہیں قائم نہ ہو سکا۔اس لئے خدا اور رسول کی حقیقی اطاعت کا مفہوم بھی سامنے نہیں آسکا۔اس تمام عرصہ میں

توجہ کا مرکز صرف حدیث رسول ہی رہی ۔زیادہ تر فقہ حدیث کی روشنی میں ہی مرتب کی جاتی رہی ۔اس لئے کہ قرآن کریم میں احکام بہت تھوڑے تھے اور زندگی کی عملی ضروریات ہر آنیوالے دور کے ساتھ بڑھتی چلی جارہی تھیں ۔ان ضروریات کو پورا قرآنی احکام کی انہی جزئیات نے ہی کرنا تھا جنہیں اسلامی خلافت مرتب کرتی تھی ۔اب ان کی عدم موجودگی میں نظر بار بار حدیثوں کی طرف اٹھتی تھی ۔جب عام رواج پذیر حدیثیں اس مقصد کے لئے ناکافی ہو گئیں تو پھر نئی حدیثیں بنانے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔انہی حدیثوں کی وجہ سے مختلف فرقے وجود میں آتے چلے گئے اور ہر فرقے نے اپنے اپنے مسلک کی تائید میں احادیث فراہم یا حسب ضرورت وضع کرنی شروع کر دیں ۔جھوٹے راوی اور دنیا پرست محدثین پیدا ہوتے اور مشہور ہوتے چلے گئے ۔اس سلسلہ پر جب صدیاں گزر گئیں تو اس تصور نے ایک محکم عقیدہ بلکہ ایمان کی شکل اختیار کر لی کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت حدیث کے ذریعے ہوتی ہے ۔اور احادیث کو نہ ماننے والا منکر رسالت ہے ۔یہ ہے وہ غلط فہمی جو دین کے معاملہ میں تمام الجھنوں کا بنیادی سبب ہے ۔

اس الجھن سے نکلنے کی صرف ایک ہی صورت ہے ۔کہ پھر سے وہی خلافت علی منہاج النبوۃ قائم کی جائے جو صدیقؓ عمرؓ اور عثمانؓ کے دور میں قائم ہوئی تھی ۔اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کی ریاست اس امر کا فیصلہ کرے گی کہ اس نے قرآن کریم کے اصولوں کے مطابق حکومت کرنی ہے ۔اور وہ قرآن کے تمام احکامات کو نافذ کرے گی ۔اس کے بعد دیکھے کہ زندگی کے مختلف شعبوں کے متعلق قرآن کریم کیا اصولی رہنمائی دیتا ہے ۔اور ہماری قانونی ضروریات کیا ہیں ۔حدیث اور فقہ کا جو سرمایہ ہمارے ہاں متوارث چلا آ رہا ہے اس میں سے صرف قرآنی اصولوں کے مطابق احکامات چن لئے جائیں ،باقی جو ضروریات کے مطابق احکامات نہ ملیں ،انہیں قرآنی اصولوں کی روشنی میں اپنے لئے جزئی طور پر خود مرتب کرے ۔پھر تمام مسلمانوں پر ان کی اجتماعی اطاعت فرض ہو گی ۔جس سے انحراف اسلامی قانون اور ریاست سے بغاوت ہو گی ۔قرآنی اصول ہمیشہ غیر متبدل رہیں گے جبکہ ان کی جزئیات ہر دور میں ضروریات کے مطابق تبدیل ہوتی رہیں گی ۔اور ایسا تا قیامت جاری رہے گا ۔

اور یہی اصول اجتماعاتِ صلوٰۃ کے معاملہ میں بھی ہوگا۔صلوٰۃ کی جزئیات بھی مرکزِ ملت یعنی خلیفہ خود مقرر کرے گا۔وہ صلوٰۃ ادا کرنے کا ایک طریقہ مقرر کردے گا جس پر سب متفق ہونگے۔اور اس طریقہ میں وقت و حالات کے مطابق تبدیلی بھی کی جاسکے گی۔جیسے حضرت عمر فاروقؓ نے رسول اللہ ﷺ کی تراویح کے انداز میں تبدیلی فرمائی تھی۔اسی طرح ہر دور میں حالات وضروریات کے مطابق اجتماعات صلوٰۃ کے انعقاد کی صورت میں تبدیلی آتی جائیگی۔لیکن ان کی مقصدیت ہر حال میں برقرار رکھی جائیگی۔ان کی مقصدیت کیا ہے؟اول مرکزِ ملت کی اطاعت کے لئے لوگوں کی اجتماعی مشق کروانا،اجتماعِ صلوٰۃ میں قرآن کو پڑھنا تاکہ سب اس کو مستقل سنیں اور سمجھیں۔اور تیسرا اس صلوٰۃ میں مختلف مسائل میں مشاورت کرنا۔ہر دور میں صلوٰۃ کی کوئی بھی متفقہ شکل ہو،مقصد اس کے یہی تین رہیں گے۔کیا آج کی نماز ان تمام مقاصد کو پورا کرتی ہے؟فیصلہ آپ پر ہے۔فی الحال آگے بڑھیے۔تاکہ اجتماعاتِ صلوٰۃ پر مزید روشنی ڈالی جائے۔

باب ہفتم: قرآن کی رو سے اجتماعات صلوٰۃ (نماز) کے مختلف قابل غور پہلو

اجتماعات صلوٰۃ کے معاملہ میں انفرادی صلوٰۃ کی کیا اہمیت ہے؟

اور قرآن کے حقیقی تصور کے مطابق اجتماعی صلوٰۃ کی کیا شکل ہوگی؟

قرآن کریم میں کہیں بھی انفرادی صلوٰۃ (انفرادی نماز) کی طرف کوئی بھی رہنمائی نہیں ملتی۔ انفرادی صلوٰۃ کا کوئی تصور اللہ نے پیش نہیں کیا۔ عموماً لوگ سمجھتے ہیں، بلکہ ایمان ہے کہ اجتماعی اور انفرادی صلوٰۃ میں یہی فرق ہے کہ جب صلوٰۃ کو بہت سے لوگ مل کر ادا کرلیں تو وہ اجتماعی صلوٰۃ کہلاتی ہے، اور اگر ایک مسلمان تنہائی میں ادا کرلے تو وہ انفرادی صلوٰۃ کہلاتی ہے۔ ان دونوں میں بنیادی فرق ہے۔ اجتماعی صلوٰۃ اور انفرادی صلوٰۃ (اگر اسے بالفرض مان لیا جائے) دو بالکل مختلف تصورات کی عکاسی کرتی ہیں۔

اجتماعی صلوٰۃ کی بنیاد اس تصور پر ہے کہ قرآن کی رو سے فرد کی تربیت معاشرہ کے اندر اور اس معاشرہ کا جزو بننے سے ہی ممکن ہے۔ یہاں عبادت سے مراد قوانین خداوندی کی بے لاگ اور بے لوث اطاعت ہے، جو کہ صرف معاشرہ میں ہی ممکن ہے، انفرادی طور پر ممکن نہیں۔

اس کے برعکس انفرادی صلوٰۃ کی بنیاد صرف اس تصور پر ہے کہ ایک فرد اپنا تزکیہ نفس معاشرہ سے الگ ہٹ کر انفرادی طور پر گھر کے اندر ایک کونے میں بھی کرسکتا ہے۔ اور یہاں عبادت سے مراد ہوگا خدا کی پرستش اور پوجا۔ جو کہ ظاہر ہے انفرادی طور پر بھی ہوسکتی ہے۔

اب غور کریں۔ مندرجہ بالا دونوں تصورات ایک دوسرے سے انتہائی مختلف ہیں۔ اب سنئے قرآن کیا کہتا ہے۔ قرآن کریم انفرادی تصور حیات کے سخت خلاف ہے۔ اور وہ صرف اور صرف اجتماعی زندگی کا ہی حکم دیتا چلا آرہا ہے۔ لہذا یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ قرآن جو صرف اجتماعی صلوٰۃ کا حکم دیتا ہو، ساتھ ہی انفرادی صلوٰۃ کا بھی حکم دیتا ہو اور اس کے فوائد بتائے۔ جسے انفرادی صلوٰۃ کہا جاتا ہے۔ تو جان لیں کہ قرآن میں انفرادی صلوٰۃ کا کوئی بھی حکم نہیں نہ ایسا کوئی

تصور موجود ہے۔کچھ مسلمان قرآن میں موجود حضرت زکریا کے قصہ سے انفرادی صلوٰۃ (انفرادی نماز) کی دلیل لاتے ہیں جو کہ نہایت غلط استدلال ہے۔کیونکہ اس قصہ میں حضرت زکریا کی صلوٰۃ سے مراد صرف دعا ہے۔وہ جسے لوگ انفرادی صلوٰۃ کہتے ہیں وہ اصل میں دعا ہے۔دعا کسی بھی جگہ کی جا سکتی ہے۔وہ صلوٰۃ نہیں۔کیونکہ قرآنی صلوٰۃ صرف قائم ہی کی جا سکتی ہے۔قرآن کریم میں اس قصہ کی تفصیل کچھ یوں ہے:

''زکریا نے اپنے رب سے دعا مانگی اور کہا کہ تو مجھے اپنے ہاں سے اولاد عطا فرما۔انک سمیع الدعا۔اس کے بعد لکھا ہے کہ ابھی وہ قربان گاہ میں کھڑے دعا مانگ رہے تھے کہ اللہ نے انہیں بیٹے کی خوشخبری دے دی۔قرآن نے اس بات کو اس طرح لکھا ہے کہ:

''فنادتہ الملئکۃ وھو قائم یصلی فی المحراب'' (سورہ آل عمران۔آیت 38)

مفہوم: اور وہ ابھی محراب میں کھڑے دعا (یصلی) مانگ رہے تھے کہ اللہ نے ان کو ملائکہ کے ذریعے خوشخبری دے دی۔

غور کریں۔قرآن نے ان الفاظ ''وھو قائم یصلی فی المحراب'' کا اضافہ صرف یہ بتانے کے لئے کیا ہے کہ حضرت زکریا نے ابھی اپنی دعا ختم نہیں کی تھی کہ اللہ نے اسے قبولیت سے نواز دیا۔سورہ مریم میں اس معاملہ کی وضاحت کی گئی ہے کہ حضرت زکریا کا دعا مانگنا،انکی دعا کا قبول ہونا اور انہیں بیٹے کی بشارت مل جانا سب ایک ہی وقت میں ہو گیا۔چنانچہ جب یہ سب ہو گیا تو

''فخرج علی قومہ من المحراب'' (سورہ مریم۔آیت 11)

مفہوم: زکریا قربان گاہ سے نکل کر اپنے لوگوں کی طرف آیا۔

پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ زکریا کے اس قصہ میں ''یصلی فی المحراب'' کے معنی قرآن کی بیان کردہ صلوٰۃ ادا کرنا نہیں ہے بلکہ بیٹے کی دعا مانگنا ہے۔صلوٰۃ کا لفظ دعا کے معنی میں قرآن میں کئی مقامات پر استعمال ہوا ہے۔مثلاً

"صلوٰتک سکن لھم" (سورہ التوبہ۔آیت 103)

تیری دعا ان کے لئے وجہ تسکین ہوتی ہے۔لہٰذا یہ کہنا تو درست ہے کہ دعا انفرادی طور پر مانگی جاسکتی ہے۔مگر یہ کہنا درست نہیں کہ قرآنی صلوٰۃ انفرادی طور پر بھی ادا ہوسکتی ہے اور اجتماعی طور پر بھی۔

اس کے ساتھ ساتھ جو نمازیں ہم اس وقت باجماعت پڑھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اجتماعی صلوٰۃ ادا کر رہے ہیں، وہ بھی اصل میں انفرادی صلوٰۃ ہی ہے۔اور مندرجہ بالا دلائل کی رو سے انفرادی صلوٰۃ کا تصور ہی خلاف قرآن ہے۔مساجد میں پڑھی جانیوالی باجماعت نماز کو قرآنی اصول کی رو سے انفرادی نماز اسی لئے کہا جائے گا کہ اس میں بنیادی تصور خدا کی "پرستش" اور انفرادی تزکیہ کا ہے۔پس نہ تو انفرادی طور پر تزکیہ کا یہ تصور قرآنی ہے اور نہ ہی اللہ کی پرستش کی کوئی گنجائش ہے۔اللہ کی تو صرف عبادت ہی ہوگی اور عبادت کے حقیقی مفہوم کی مکمل وضاحت میں اپنے اس مضمون کے باب اول میں کر چکا ہوں۔یہاں اب بحث کو منتج کرتے ہوئے صرف اتنا کہنا چاہوں گا کہ اس وقت نہ تو کسی ایک انسان کی الگ ادا کردہ نماز ہی قرآنی صلوٰۃ ہے اور نہ ہی باجماعت نماز اپنے مقصد کے اعتبار سے قرآنی۔دونوں ہی باطل اور بے روح رسوم ہیں۔

کیا انفرادی صلوٰۃ کی درستگی اور خشوع وخضوع پیدا کر لینے سے قرآنی اجتماعی صلوٰۃ قائم ہوسکتی ہے؟

اکثر عوام اور علماء یہ سمجھتے ہیں کہ اگر انفرادی صلوٰۃ کو درست کرلیں اور اس میں ضروری خشوع وخضوع اور عاجزی وقلبی توجہ پیدا کرلیں تو اجتماعی صلوٰۃ کے قیام کے لئے بتدریج راہ ہموار ہوسکتی ہے۔لیکن جب ایسے لوگوں سے یہ سوال کیا جاتا ہے کہ جناب انفرادی صلوٰۃ کی درستگی سے ان کی کیا مراد ہے؟ تو کوئی اس کی حتمی وتسلی بخش وضاحت نہیں کر پاتا۔ہر شخص یہ کہتا نظر آتا ہے کہ انفرادی نمازوں کو درست کرو۔لیکن اس کا مفہوم کوئی نہیں بتاتا۔اس سلسلے میں جب ملا سے رابطہ کیا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ تم نماز کے فرائض وواجبات، سنن، مستحبات وغیرہ کا نہایت احتیاط سے اہتمام کرو۔اس کے ارکان کو ٹھیک ٹھیک ادا کرو۔کھڑے ہو تو پاؤں میں اتنا فاصلہ رکھو۔تکبیر کے لئے ہاتھ اٹھا کر کان کی لو

تک پہنچاؤ۔ہاتھ سینے پر رکھو،ناف پر رکھو،رکوع میں اس طرح جھکو،سجدہ اس طرح کرو وغیرہ وغیرہ۔اس میں خضوع و خشوع اور دل کی حاضری پیدا کرو۔انسان کو نماز میں عاجزی سے گڑگڑانا چاہیے،رونا چاہیے۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پچھلے ہزاروں سالوں میں لاکھوں کروڑوں انسان ایسے گزر چکے ہیں جو اپنی نمازوں میں ارکان کی تعدیل اور خشوع وخضوع کا مکمل خیال رکھتے تھے آج بھی ایسے کروڑوں انسان امت مسلمہ میں نظر آئیں گے جو مکمل خشوع وخضوع سے نمازیں پڑھتے ہیں۔مگر اس کے باوجود بھی ان کی نمازیں وہ نتائج تو مرتب نہ کر پائیں (نہ آج کررہی ہیں) جو قرآن نے صلوٰۃ کا لازمی نتیجہ اور ثمر قرار دے ہیں۔ایسا کیوں ہے؟؟؟اس کا یہی مطلب ہے کہ ہم نے غلطی سے یہ سمجھ لیا ہے کہ انفرادی صلوٰۃ کو درست کرنے سے قرآنی صلوٰۃ کے نتائج مرتب ہو سکتے ہیں۔لیکن جب انفرادی صلوٰۃ قرآنی صلوٰۃ ہے ہی نہیں تو اس کی درستگی سے اور خشوع وخضوع پیدا کر لینے سے قرآنی نتائج کیسے مرتب ہو سکتے ہیں؟انفرادی نماز میں زیادہ سے زیادہ یہی کیا جا سکتا ہے کہ خشوع وخضوع اور حضوری قلب پیدا کر کے اپنی دعا میں اور زیادہ رقت پیدا کر لیں اور خدا کی پرستش مزید توجہ سے کر لیں۔لیکن وہ ثمر اور نتیجہ تو برآمد نہیں ہو سکتا نہ جس کا ذکر قرآن نے کیا ہے۔اس لئے انفرادی صلوٰۃ کی درستگی قرآنی صلوٰۃ کی طرف نہیں لیجا سکتی۔کیونکہ انفرادی صلوٰۃ قرآنی صلوٰۃ ہے ہی نہیں۔اس کا کوئی تصور ہی قرآن میں موجود نہیں۔

انسانی خواہشات کی تکمیل بذریعہ قیام صلوٰۃ کیسے ممکن ہے؟

جب مومنین دنیا کے اندر رہتے ہوئے ایک مرکز ملت کی اتباع کے دوران نظام صلوٰۃ قائم کرتے ہوئے احکام خداوندی کی پیروی کرتے ہیں تو وہ اتباع کسی مجبوری یا کراہت کے ساتھ مشینی طور پر نہیں ہوتا،بلکہ اس میں پوری پوری توجہ اور سوز وگداز شامل ہوتا ہے۔یعنی وہ پیروی دل کی گہرائیوں سے کی جاتی ہے۔کیونکہ ان کو اس کے خوشحالی بھرے نتائج نظر آرہے ہوتے ہیں۔نظام پر عمل وہی کرتا ہے جسے نتیجہ مثبت نظر آرہا ہو۔چنانچہ نظام صلوٰۃ کی پیروی مومنین کے دل کی گہرائیوں سے ابھرے گی اور احکامات خداوندی کی پیروی ان کے خون کے ذرہ ذرہ میں مکس ہو جائیگی۔اور

اس اتباع سے جو خوشگوار اور خوشحالی بھرے نتائج برآمد ہونگے، انہیں پا کر انسان کو حقیقی مسرت اور دلی سکون ملے گا اس طرح نظام صلوٰۃ میں انسان کی **عقل وبصیرت اور جذبات** دونوں تسکین حاصل کرلیں گے۔ تعلیم یافتہ اور دانشور مسلمانوں کو یہ نظام بالکل حقیقی لگے گا کیونکہ ان کی عقل بھی اس نظام کو تسلیم کرتی ہوگی۔ جبکہ مذہبی رسوم کو عقل وفہم تسلیم نہیں کرتی۔ جبکہ نظام صلوٰۃ کو ایک تو عقل تسلیم بھی کرتی ہوگی دوسری طرف انسان کو اس نظام سے کچھ ملتا بھی ہوگا۔ (خوشحال اور محرومیوں سے پاک معاشی زندگی)۔ یعنی عقل نے بھی مان لیا، نتائج کو دور سے ہی دیکھ لیا اور خوشحالی بھرے نتائج برآمد ہو بھی گئے۔ یعنی انسان کے جذبات نے اس نظام صلوٰۃ کے تحت تسکین حاصل کرلی۔ اور ان کی سب ضروریات پوری ہوگئیں۔ اسی کو قرآن اس نظام کے نتائج کہتا ہے۔

لیکن۔۔۔۔۔۔۔۔ جب نظام صلوٰۃ باقی نہ رہے تو جذبات پھر بھی تسکین حاصل کرلیتے ہیں مگر غیر قرآنی طریقہ سے۔ اور معاشرہ دو گروہوں میں بٹ جاتا ہے۔ ایک دنیا پرست (Materialistic) لوگ، اور ایک ''دیندار'' اور مذہبی کہلانے والے لوگ۔ یہ دونوں لوگ اپنے اپنے جذبات کی تسکین مختلف اور غیر قرآنی طریقہ سے حاصل کرلیتے ہیں۔ مگر پھر بھی قرآن ان کی صلوٰۃ کو ضائع کہتا ہے۔

دنیادار مادہ پرست لوگ تو عقلی حیلے بہانوں سے بھرپور سامانِ زندگی حاصل کرلیتے ہیں اور اس طرح ان کے جذبات کی تسکین ہوجاتی ہے۔ حرام ذرائع سے رزق کما کر اور لوٹ مار اور رشوت خوری کر کے یا سود خوری کے سبب یہ طبقہ بھرپور سامان زندگی حاصل کر کے اپنے جذبات کی تسکین کرلیتا ہے۔ یہ لوگ مذہب سے متنفر بھی ہوتے ہیں۔ کیونکہ مذہب میں عقل کی بات کوئی نہیں ہوتی، سوائے رسوم کی پابندی کے۔ جبکہ رسوم کی محض پابندی ان کے دنیاوی جذبات کی تسکین نہیں کرسکتی اور خوشگوار زندگی کی ضمانت نہیں دے سکتی۔ اس لئے مذہب کو فراموش کر کے یہ لوگ غلط ذرائع سے جذبات کی تسکین کرلیتے ہیں۔

دوسری طرف مذہبی اور ''دیندار'' کہلانے والا طبقہ ہوتا ہے، جو اس مذہب کی رسوم پر مکمل کاربند رہتے ہوئے اور رسوم

ونماز کی پابندی کر کے انفرادی پرستش کر کے اپنے جذبات کی تسکین کا سامان کرتے ہیں۔ان کے جذبات دنیاداری اوراپنی خواہشات کو پورا کرنے اور خوشحال زندگی گزارنے کی بجائے محض اللہ کو خوش کرنے اور ''آخرت'' بنانے کے مقصد پر مشتمل ہوتے ہیں۔اللہ دنیاوی خوشحالی اور جذبات کی تسکین سے تو منع کرتا ہی نہیں۔مگر یہ لوگ خود پر دنیاداری کو اپنے تئیں حرام کر لیتے ہیں اور صرف آخرت بنانے کی فکر میں باطل مذہب پر عمل پیرا رہتے ہیں۔یہ طریقہ بھی غلط ہے۔ان لوگوں کی بھی صلوٰۃ ضائع ہے۔کیونکہ قرآن میں رہبانیت اور نفس کو مارنے کی تو کوئی تلقین ہے ہی نہیں۔بلکہ نفس کو پالنے پروان چڑھانے اور جذبات کی تسکین کرنے کی مکمل طور پر اجازت بلکہ حکم ہے۔مگر جذبات کی تسکین صرف اور صرف قرآنی ذرائع (قیام نظام صلوٰۃ) اور اسلامی فلاحی نظام کے ذریعے کی جائیگی۔جس کا ذکر میں اس پورے مضمون میں کرتا چلا جارہا ہوں۔

قرآن نے جہاں یہ کہا ہے کہ

''انبیاء کرام کے بعد ان کے پیروکاروں نے صلوٰۃ کو ضائع کر دیا اور شہوات (نفس پرستی وخواہش پرستی) کے پیچھے لگ گئے۔'' (سورہ مریم۔آیت 59)

اس کا نتیجہ تباہی وبربادی تھا۔تو صرف اسی لئے کہ اس میں اتباع شہوات (خواہش پرستی ونفس پرستی) اور جذبات کی تسکین قوانین خداوندی کی بجائے دوسرے طریقوں سے چاہتے تھے۔یہ تھی ان کی غلطی۔

ایک بار پھر واضح کردوں کہ قرآن کی رو سے جذبات کی تسکین بری بات نہیں ہے۔بری بات یہ ہے کہ جذبات کی تسکین غیر قرآنی طریقوں سے کی جائے۔اور جذبات کی تسکین کا بڑا ذریعہ قیام نظام صلوٰۃ ہے۔جس میں دنیاوی خوشگوار زندگی اور محرومیوں سے پاک معاشی زندگی کے حصول اور انسانی ذات کی تربیت واستحکام سے انسانی جذبات کی درست تسکین ہوتی جاتی ہے۔

قرآنی اسلام میں رہبانیت اور نفس کو مار کر صرف پرستش و پوجا پاٹ کرنا سخت ممنوع ہے

دور حاضر میں دنیا بھر میں ایسا ہو رہا ہے کہ نظام صلوٰۃ تو کہیں قائم نظر نہیں آتا۔ البتہ صلوٰۃ کو ضائع کر کے اپنے طور پر جذبات کی تسکین ہر جگہ، ہر مذہب اور ہر ریاست میں ضرور کی جا رہی ہے۔ اور ایسا روز ازل سے ہوتا چلا آ رہا ہے، اسی کو روکنے کے لئے وحی انسان کی رہنمائی کے لئے دنیا میں نازل ہوئی۔ مگر انسان آج بھی رہبانیت کو کسی نہ کسی شکل میں قائم رکھے ہوئے ہے۔ اور نفس کو مارے ہوئے ہے۔

یہ طریقہ قرآن کی رو سے بالکل غلط ہے۔ عبادت کا مفہوم جیسا کہ میں پہلے مضمون میں واضح کر چکا ہوں کہ پرستش نہیں بلکہ قوانین خداوندی اور قرآنی اصولوں کی مکمل طور پر اطاعت ہے انسانیت کے اندر موجود رہبانیت کی مکمل تکذیب کر رہا ہے۔

انسان کے اندر صرف حیوانی و نفسانی جذبات ہی موجود نہیں بلکہ کچھ "مقدس جذبات" بھی موجود ہیں جن کی تسکین مذہبی طبقہ انفرادی طور پر پرستش کر کے کر لیتا ہے۔ اسی کو قرآن نے رہبانیت کہا ہے۔ پس اگر رہبانیت میں انفرادی صلوٰۃ (یعنی خدا کی پرستش اپنے طور پر الگ الگ کر لینے سے) سے اللہ کے مقرر کردہ خوشگوار نتائج برآمد نہیں ہو سکتے تو ہمارے ہاں وہی چیز کس طرح نتائج کی ضامن ہو سکتی ہے؟ خواہ سے کتنا ہی درست کیوں نہ کر لیا جائے اور خشوع و خضوع سے نہ بھر لیا جائے۔ اللہ نے خود رہبانیت کے ناکام ہونے کا علی الاعلان دعویٰ کیا ہے

"یقیناً وہ کامیاب ہوا جس کی روح و صلاحیتیں نشو و نما پا گئیں۔ اور بلاشبہ وہ ناکام ہوا جس کی روح و صلاحیتیں مفاد پرستیوں کے نیچے دبی رہیں اور نشو و نما نہ پا سکیں (راہب و مذہبی پیشوا)"۔ (سورہ الشمس۔ آیت 9)

کیا نماز کو محض اللہ کی خوشنودی اور اللہ سے تعلق قائم کرنے کے لئے بھی پڑھا جا سکتا ہے؟

یہ دنیا کے ہر انسان کے دل کی آواز ہے۔ مسلمان کہتا ہے کہ نماز اللہ کی خوشنودی کے لئے پڑھی جاتی ہے اور اس سے اللہ سے انسان کا انفرادی تعلق مضبوط ہوتا ہے۔ ہندو کہتا ہے کہ وہ مندر میں پوجا بھگوان یا ایشور کی خوشنودی کے لئے

کرتا ہے۔ عیسائی گرجا میں اپنی عبادت کو محض خداوند کو راضی کرنے کے لئے پڑھنا بتاتے ہیں۔ یہودی بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔ اور دیگر مذاہب بھی اپنے اپنے خداؤں کی خوشنودی کے لئے اور اپنے خداؤں سے تعلق جوڑنے کے لئے اپنی عبادتوں اور نمازوں کا مقصد بتلاتے ہیں۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے تو یہ دیکھنا چاہیے کہ "خدا سے تعلق" کا مفہوم کیا ہے؟؟؟

اگر تو انسان یہ محسوس کرنے لگ جائے کہ کسی کام سے اس کا تعلق خدا سے پیدا ہو رہا ہے تو اس انفرادی دلی احساس کو صرف نماز سے ہی کیوں مخصوص کیا جائے؟ پھر تو ہر مذہب اس دعویٰ کے مطابق خدا سے تعلق جوڑ رہا ہے۔ اور وہ اس کا دعویٰ کرتا ہے کہ اس کا تعلق ایشور، بھگوان، خدا یا پرماتما سے پیدا ہو رہا ہے۔ اس سے بھی نزدیک آئیں تو ہمارے مسلمانوں کے ہاں ایک پیر پرست طبقہ اس بات کا دعویدار ہوتا ہے کہ اس کے بتائے ہوئے اوراد و وظائف سے (باطنی طور پر) تعلق باللہ پیدا ہو جاتا ہے۔ تو آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ اللہ سے تعلق پیدا کرنے سے متعلق ان کا دعویٰ غلط ہے اور آپ کا صحیح۔ جب اس دعویٰ کا ثبوت ہی صرف "اپنے دل کے اندر کا انفرادی احساس" ہے تو پھر آپ کو کیا حق حاصل ہے کہ دوسرے کے احساس دل کے متعلق فیصلہ دیں کہ وہ احساس باطل ہے اور آپ کا حقیقی۔ کیونکہ اللہ سے تعلق تو سب ہی پیدا کرنے کا سوچ رہے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ یہ تصور ہی غیر قرآنی ہے۔ اور اسی باطل تصور سے ہی دنیا کے اندر باطل مذہب پرستی کا وجود قائم ہے۔ انسان اور خدا کے تعلق کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ ہے "وحی"۔ اور وحی آج اس دنیا کے اندر صرف قرآن کے اندر ہے۔ اس لئے اللہ سے تعلق جوڑنے کا واحد ذریعہ صرف قرآن کی پیروی ہے۔ جب ہم قرآن کی پیروی کر رہے ہوتے ہیں تو ہمارا تعلق اللہ سے پیدا ہو جاتا ہے۔ رہی بات یہ کہ ہم قرآن کی اتباع صحیح طور پر کر بھی رہے ہیں یا نہیں تو اس کا معیار وہ نتائج ہیں جو خود قرآن نے اپنی اتباع کا لازمی ثمر بتائے ہیں۔

یہ ہے حقیقی تعلق باللہ۔ اگر درمیان میں قرآن نہ رہے تو کوئی انسان اپنا تعلق خدا سے قائم نہیں کر سکتا۔ خدا سے براہ

راست تعلق کا ایک اور ذریعہ نبوت تھی جس کا سلسلہ اب ختم ہو چکا ہے۔

قیام صلوٰۃ سمیت ہر ارکان اسلام کی پیروی یا عدم پیروی کو صرف نتائج ہی سے پرکھا جا سکتا ہے۔ نتائج ہی معیار ہیں اسلام سے پہلی قومیں صرف اس لئے تباہ و برباد نہیں ہوئی تھیں کہ انہوں نے اپنے دینی احکام ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ اس لئے تباہ ہوئی تھیں کہ وہ جس انداز سے ان احکام کی اتباع کرتی تھیں، اس سے وہ نتائج مرتب نہیں ہوتے تھے جن کے لئے وہ احکام دئے گئے تھے۔ لیکن اس کے باوجود وہ سمجھتے تھے کہ ہم ان احکام کی ٹھیک اطاعت کر رہے ہیں۔ مثلاً قرآن گواہی دیتا ہے کہ بنی اسرائیل کے انبیاء نے اپنی قوم کو ''قیام صلوٰۃ'' کا حکم دیا تھا۔

تمام انبیاء کے دنیا میں آنے کا مقصد

''ہم نے ابراہیم کو اسحاق جیسا بیٹا اور یعقوب جیسا پوتا عطا کیا۔ اور ان سب کو بہت اچھی صلاحیتیں دیں۔ اور ان کو لوگوں کی امامت دی۔ وہ ان کی رہنمائی ہمارے قوانین کے مطابق کرتے۔ ہم نے انہیں بذریعہ وحی ہدایت کی تھی کہ انسانی فلاح و بہبود کے لئے کام کریں اور اللہ کا دیا ہوا نظام صلوٰۃ قائم کر کے نوع انسان کی پرورش کا انتظام کریں اور وہ سب ہمارے احکام و قوانین کی اطاعت کرتے تھے'' (سورہ الانبیاء۔ آیت 72)

حضرت اسماعیل کی نبوت کا عظیم مقصد (قیام صلوٰۃ و ایتائے زکوٰۃ)

''اور اس کتاب میں اسماعیل کا ذکر کرو وہ اپنے قول کا سچا اور ہمارا بھیجا ہوا نبی تھا۔ وہ اپنے ساتھیوں کو تلقین کرتا تھا کہ معاشرہ میں انسانی فلاحی نظامِ صلوٰۃ قائم کریں اور انسانی نسل کی پرورش و نشو و نما کا اہتمام کریں۔ (سورہ مریم۔ آیت 54)

حضرت عیسیٰ کی نبوت کا عظیم مقصد (قیام صلوٰۃ و ایتائے زکوٰۃ)

''عیسیٰ نے کہا میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اللہ نے مجھے کتاب دی اور اپنا نبی مقرر کیا ہے۔ اس نے مجھے زندگی کے ہر گوشے میں بابرکت بنایا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ اللہ کا دیا ہوا فلاحی نظام صلوٰۃ قائم کروں اور نوع انسانی کی پرورش و نشو و نما کا

انتظام کروں۔ (سورہ مریم۔آیت 30)

آخری نبی حضرت محمد ﷺ کی نبوت کا عظیم مقصد (قیام صلوٰۃ وایتائے زکوٰۃ)

"اور اسی طرح ہم نے تمہاری طرف تم ہی سے ایک رسول بھیجا جو تمہارے سامنے ہمارے قوانین پیش کرتا اور تمہاری ذہنی وروحانی نشوونما کا اہتمام کرتا ہے۔" (سورہ البقرہ۔آیت 151)

بنی اسرائیل سے لیا جانیوالا اللہ کا وعدہ

"اور ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا تھا کہ اللہ کے قوانین کے سوا کسی اور کی اطاعت نہیں کروگے اور خامیاں دور کر کے اپنے والدین اور رشتہ داروں کی زندگیوں میں حسن وتوازن پیدا کروگے۔ اور معاشرہ میں موجود کمزور و بے سہارا، بیروزگار اور معذور لوگوں کی زندگیوں میں بھی۔ اور لوگوں کے ساتھ حسین انداز میں پیش آؤ گے اور اللہ کا دیا ہوا نظام صلوٰۃ قائم کروگے اور نوع انسانی کی پرورش ونشوونما کا اہتمام (زکوٰۃ) کروگے۔ (سورہ البقرہ۔آیت 83)

پس دیکھ لیجئے۔ یہودی آج تک برابر نماز پڑھتے چلے آرہے ہیں۔ عیسائی بھی نماز پڑھتے ہیں۔ اور ہم یہ بھی کسی حد تک کہہ سکتے ہیں کہ ان کی نمازوں کی شکل وہیئت وہی ہوگی جو ان کے اس ابتدائی معاشرہ میں رائج تھی جب یہ کتاب اللہ پر ٹھیک عمل کرتے تھے، مگر پھر بھی قرآن یہ کہتا ہے کہ "انہوں نے اپنی صلوٰۃ کو ضائع کردیا"۔ (اضاعوالصلوٰۃ) اور اس طرح تباہ وبرباد ہوگئے۔

سوال یہ ہے کہ صلوٰۃ کی شکل قائم رکھنے کے باوجود ان سے کہاں غلطی ہوئی جس کی وجہ سے آخری کتاب قرآن نے کہہ دیا کہ انہوں نے اپنی صلوٰۃ ضائع کردی۔ غلطی یہ ہوئی کہ انہوں نے اس بات کا جائزہ نہیں لیا کہ ان کی صلوٰۃ وہ نتائج مرتب کررہی ہے یا نہیں جن کی نشاندہی خدا نے ان کی کتابوں میں کی تھی۔ ان کی صلوٰۃ نے وہ نتائج اسی دن مرتب کرنے چھوڑ دیئے تھے جس دن انہوں نے صلوٰۃ کو انفرادی پرستش یا دعا میں تبدیل کرلیا تھا۔ (جیسا کہ ہماری نماز کی اس وقت حالت ہوچکی ہے۔ جسے ہم "انفرادی صلوٰۃ" کہتے ہیں۔ چنانچہ ان کے لئے اور مسلمانوں کے ہاں

صلوٰۃ کے لئے آج بھی "Prayer" اور پرستش "Worshipping" کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔

قصہ مختصر یہ دیکھنے کے لئے کہ ہمارے دینی ارکان پر حقیقی عمل ہو رہا ہے کہ نہیں، ہمیں ان کے نتائج دیکھنا ہونگے کہ مرتب ہو رہے ہیں یا نہیں؟ جن کی تفصیل قرآن نے خود دے دی ہے۔ جب تک یہ نتائج مرتب نہیں ہونگے ان کی حیثیت دینی ارکان کی بجائے صرف مذہبی رسوم اور پوجا پاٹ یا زیادہ سے زیادہ قومی علامتوں اور شعائرِ ملی کی رہیں گی۔ دین نہیں بن سکے گا یہ سب۔

مروجہ نماز مکمل طور پر بے نتیجہ ہے، لہذا باطل ہے

آپ سب نے غور کیا ہوگا کہ آج کے دور میں لوگوں کو سیاسی جماعتوں کے دعوے، تقریریں، بیانات وعدے اور قراردادیں، حتیٰ کہ حکومتوں کی منصوبہ بندیاں بھی مطمئن نہیں کر پاتے۔ ہر شخص یہ پوچھتا ہے کہ بتاؤ جو کچھ تم کہتے یا کرتے ہو اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے؟

ظاہر ہے جب ہر طرف اس طرح کا شور ہو اور چارسو "نتیجہ دو، رزلٹ دو" جیسی فرمائشوں کی بھرمار ہو تو پھر لوگوں کی توجہ مذہبی اعمال اور ارکان نماز رسوم کی طرف بھی مبذول ہو جاتی ہے۔ بالخصوص نئی نسل اور پڑھے لکھے طبقہ کی۔ کہ یہ جو ہم سب مذہب کے نام پہ کرتے ہیں ان کا کیا نتیجہ نکلتا ہے؟ مولوی سے جب پوچھو تو اس سوال کا جواب یہ ملتا ہے کہ ان اعمال سے اللہ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے اور جنت ملتی ہے۔ لیکن اس جواب سے آج کے جدید دور کے باشعور و پڑھے لکھے نوجوان کا دل مطمئن نہیں ہوتا۔ ایسی باتیں سن کر اس تعلیم یافتہ نوجوان کے دل میں یہ خیال ابھرتا ہے کہ شائد اللہ کا تصور ایک "حاکم" کا ہے جو محض اپنی خوشنودی کے لئے لوگوں سے ایسے بے روح و بے مقصد کام کرائے جن کا نتیجہ سوائے اس کی خوشی کے اور کچھ نہ ہو۔

دوسری بات یہ کہ آج کا نوجوان یہ بھی سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ یہ عجیب تماشا ہے کہ وہ لوگ جو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے میں لگے ہوئے ہیں وہ دنیا میں سب سے زیادہ پست اور ذلیل ہیں اور جو قومیں اللہ تعالیٰ کے وجود کی بھی

قائل نہیں، وہ دنیا بھر میں سب سے طاقتور اور اعلیٰ وخوشحال ہیں۔

چونکہ ہمارے جدید تعلیم یافتہ باشعور نوجوان کو ان سوالات کا ملّا کی طرف سے تسلی بخش جواب نہیں مل پاتا۔ پس نوجوان مذہبی اعمال کو اکتا کر چھوڑتا جا رہا ہے۔ کیونکہ کوئی بھی انسان کوئی کام صرف اسی وقت تک ہی کرے گا جب تک اسے اس کا نتیجہ نہ واضح ہو جائے جبکہ مذہبی اعمال کا نتیجہ مولوی کی طرف سے صرف "خدا کی خوشنودی بتایا جاتا ہے جو کہ حقیقت نہیں نہ ہی یہ قرآن کا بتایا ہوا نتیجہ ہے۔ کیونکہ قرآن بار بار یہ پکار رہا ہے کہ ہر عمل کا ایک نتیجہ ہے۔ جسے قرآن اس عمل یا رکن دین کی "حکمت" کے نام سے پکارتا ہے اور اس پر تفصیلی گفتگو مضمون کے ابتدائی حصہ میں ہو چکی ہے۔ قوموں کے عروج وزوال ان کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے۔ جنہیں مذہبی اعمال کہتے ہیں۔ ان کا نتیجہ بھی اسی طرح مرتب ہوتا ہے۔ جس طرح دیگر اعمال کا۔ ذلت اور رسوائی اللہ کا عذاب ہے اور عزت وطاقت اس کی نعمت۔

بلا سمجھے نماز میں الفاظ دہرائے جانے کی وجہ سے مروجہ نماز باطل ہے۔

ہمارے ہاں جو نمازیں آجکل پڑھی جاتی ہیں ان میں سوائے چند ایک کے کوئی نماز میں پڑھے جانے والے قرآن کو سمجھ ہی نہیں رہا ہوتا اور انہیں یونہی بغیر سمجھے دہرا لیا جاتا ہے۔ مقتدی تو دور کی بات، امام حضرات کو بھی کچھ سمجھ نہیں ہوتی کہ وہ جو کچھ پڑھ رہے ہیں اس کا کیا معنیٰ ہے۔ حالانکہ میں پیچھے واضح کر چکا ہوں کہ اجتماعاتِ صلوٰۃ رکھنے کا ایک بڑا مقصد قرآن فہمی تھا تا کہ قرآنی احکام لوگوں کے دلوں پر منقش ہوتے چلے جائیں جو زندگی کے ہر اہم موڑ پر فیصلے لیتے وقت انہیں یاد آ جائے کہ قرآن نے اس معاملہ میں کیا کہا تھا۔ لیکن جن نمازوں میں پڑھتے والوں کو قرآن کی سمجھ ہی نہ آئے، اس بے مقصد نماز سے کیا حاصل؟

جب تک صلوٰۃ میں الفاظ کے معنیٰ نہ سمجھے جائیں گے، وہ صلوٰۃ بے مقصد اور بے روح ہوگی۔ قرآن نے ایسی صلوٰۃ پڑھنے سے سختی سے روکا ہے۔

"اے ایمان والو۔ اجتماعاتِ صلوٰۃ میں شمولیت کے لئے ایسی حالت میں نہ جاؤ جبکہ تمہارے ہوش وحواس درست

حالت میں نہ ہوں۔ ان اجتماعات میں شرکت ایسی حالت میں کرو کہ جو کچھ تم کہو اسے سمجھ بھی لو۔ (سورہ النساء۔ آیت 43)

اس آیت کی تاویل میں محدثین وراویانِ احادیث نے ایسی گستاخانہ حدیثیں وضع کی ہیں کہ سر شرم سے جھک جاتا ہے۔ کتب تفاسیر اور احادیث میں لکھا ہے کہ یہاں ''انتم سکاریٰ'' سے مراد نشہ آور چیز ہے۔ کہ نشہ کر کے نماز کے لئے نہ آؤ۔ صرف اسی پر بس نہیں۔ یہ جھوٹا قصہ بھی بنا دیا گیا کہ معاذ اللہ شراب کی حرمت سے پہلے صحابہ کرام شراب پیتے پلاتے تھے اور ایک دفعہ ایک صحابیؓ نے شراب کے نشہ میں نماز میں قرآن کو غلط پڑھ دیا اور اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی کہ نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ آؤ۔ افسوس۔۔۔

لفظ سکاریٰ کا مطلب صرف نشہ آور چیز ہی نہیں لیا جاتا بلکہ اس سے مراد ہوش وحواس کی عدم درستگی بھی ہے۔ چاہے وہ دانستہ ہو یا غیر دانستہ۔ دانستہ سے مراد یہ کہ جان بوجھ کر اپنا دماغ حاضر نہ رکھا جائے اور غیر دانستہ سے مراد لاعلمی یا قرآن سے جہالت اور عربی زبان سے واقفیت نہ ہونے کے سبب قرآن کی سمجھ نہ آئے تو ایسی حالت کو بھی ہوش و حواس کی عدم موجودگی کے تحت ''سکاریٰ'' کے معنی میں لیا جائے گا۔

اب کسی شخص پر نشہ یا نیند کے غلبہ سے یہ حالت طاری ہو جائے کہ وہ جو کچھ زبان سے کہہ رہا ہے اسے سمجھ نہ رہا ہو، یا پھر لاعلمی و جہالت کی بناء پر ایسا ہو تو حکم دونوں اشخاص پر ایک ہی ہوگا جو اس آیت میں بیان کر دیا گیا ہے۔

پس صلوٰۃ میں مقصد چونکہ مستقل قرآن فہمی ہوتا ہے اس لئے ایسے شخص کو صلوٰۃ سے منع کیا گیا ہے جو اپنے ہوش وحواس میں نہ ہو، اسے قرآن پڑھنے پر اس کی سمجھ نہ آتی ہو، جاہل ان پڑھ ہو وغیرہ۔ کیونکہ جن الفاظ کا مطلب آپ نہیں سمجھتے ان کے دہرانے کا کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا بلکہ قرآنی صلوٰۃ کی کھلی تکذیب ہے۔ یہی قرآن کی حقیقی تعلیم ہے کہ صلوٰۃ کا افراد معاشرہ کے لئے مستقل بنیادوں پر قرآن فہمی کے انتظام والا مقصد صرف تبھی حاصل ہو سکتا ہے جب انسان اس کے مطالب سمجھ بھی رہا ہو۔

ہمارے ہاں چونکہ تعلیم کے اندر عربی زبان سے واقفیت شامل ہی نہیں۔ اس لئے میری تجویز یہ ہے کہ ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے اول سے آخر عربی زبان کو ایک لازمی مضمون کا درجہ دیا جائے۔ اس سے ہماری صلوٰۃ بے معنی نہیں رہیں گی اور کم از کم ایک مقصد تو ان کا پورا ہو سکے گا اور اس طرح لوگوں کے لئے قرآن سمجھنا بھی آسان ہوتا جائیگا۔

حالت جنابت میں اجتماعاتِ صلوٰۃ میں باقاعدہ شمولیت کی بجائے صرف راہ گزرتے کچھ دیر ٹھہرنے کا حکم

اللہ کا فرمان ہے کہ:

"اور ایسی حالت میں بھی اجتماعاتِ صلوٰۃ میں شمولیت کے لئے نہ جاؤ جبکہ تم جنابت کی حالت میں ہو، ہاں ایسے ہی اگر راستہ سے گزرتے ہوئے کچھ دیر کے لئے ٹھہر گئے تو کوئی بات نہیں۔ مگر باقاعدہ شمولیت کے لئے ایسی حالت میں مکمل غسل کرکے ہی جانا" (سورہ النساء۔ آیت 43)

اس آیت مبارکہ پر غور کریں۔ اگر صلوٰۃ سے مراد صرف نماز ہوتی اور قرآن فہمی، مشاورت اور خلیفہ وقت کی اطاعت کی مشق نہ ہوتی تو کیا اس نماز کے متعلق تو تھوڑی دیر پاس ٹھہرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ایسی بات صرف ایک اجتماع کے بارے میں ہی کہی جاسکتی ہے کہ اس کو پاس سے گزرتے ہوئے تھوڑی دیر ٹھہر کر سنا جاسکتا ہے۔ پس اسی لئے اللہ نے فرمایا کہ حالت جنابت میں اجتماعاتِ صلوٰۃ میں باقاعدہ شمولیت کرنے سے پہلے غسل کرلو۔ ہاں اگر تم حالت جنابت میں اجتماعاتِ صلوٰۃ کے مقام کے قریب تھے تو تھوڑی دیر ٹھہر کر احکاماتِ امیر سن سکتے ہو، لیکن باقاعدہ شمولیت صرف غسل کرنے کے بعد ہی کی جائیگی۔

اجتماعاتِ صلوٰۃ سے فارغ ہونے کے بعد اللہ کے قوانین پر کیے گئے غور وفکر کو سامنے رکھنا

"اور اجتماعاتِ صلوٰۃ سے فارغ ہونے کے بعد زمین میں پھیل جاؤ اور حصول معاش میں مصروف ہو جاؤ۔ اور زندگی کے ہر معاملہ میں اللہ کے قوانین کو سامنے رکھو تا کہ تمہیں کامیابی اور فلاح نصیب ہو (یعنی جو کچھ اجتماع صلوٰۃ کے

دوران امام سے سنا ہے اسے بعد میں دنیاداری کے وقت بھی یاد رکھنا)۔" (سورہ الجمعہ۔آیت 10)

خطرہ یا سفر کی حالت میں قرآن فہمی کے یہ اجتماعاتِ صلوٰۃ مختصر کیے جا سکتے ہیں۔

"اگر تم لوگ دنیا میں کسی جگہ سفر کی حالت میں ہو تو اس بات میں کوئی حرج نہیں کہ اگر اجتماعاتِ صلوٰۃ کو مختصر کر لیا جائے۔اور جب تم جنگ کے لئے نکلو اور تمہیں دشمن کی طرف سے ضرر رسانی کا خطرہ بھی ہو تو پھر تم اجتماعاتِ صلوٰۃ کو مختصر کر سکتے ہو۔" (سورہ النساء۔آیت 101)

قبلہ کے مفہوم کی حقیقی وضاحت

لفظ قبلہ کے حقیقی معنی سمت یا جہت کے ہیں۔دین کے نظام میں قبلہ کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ہر نظام، مملکت یا حکومت کا ایک مرکز ہوتا ہے۔جس کی طرف تمام افرادِ معاشرہ کی نگاہیں اٹھتی ہیں جو ان میں وحدتِ فکر و عمل پیدا کرتا ہے۔یہ دراصل اس نظام یا حکومت کا ایک نشان (Symbol) ہوتا ہے جسے افراد نے ہر وقت سامنے رکھنا ہوتا ہے۔اور اسے سامنے رکھنے کا مقصد اس نظام یا حکومت سے اپنی وابستگی اور وفاداری کا اظہار ہوتا ہے۔مثلاً ہم جب یہ کہتے ہیں کہ فلاح انسان کی نگاہوں کا مرکز بیجنگ ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ وہ چین کی اشتراکیت (Communism) کو پسند کرتا ہے وغیرہ۔

قرآن میں اللہ نے ایک نظریہ زندگی عطا کیا ہے اور اس کے مطابق امت اور ایک مملکت کا وجود عمل میں آیا۔اس نظریہ یا نظام کا مرکزِ محسوس (Tangible Centre) خانہ کعبہ تھا جو مکہ کے اندر واقع ہے۔قرآن نے اہل ایمان سے کہا کہ تم چاہے دنیا کے کسی بھی حصہ میں رہو، تمہاری نگاہوں کا مرکز کعبہ کی سمت ہی رہنا چاہیے۔بالفاظ دیگر تمہارا نصب العین وہ انسانی فلاحی نظام حیات (صلوٰۃ) ہونا چاہیے جس کی محسوس علامت کعبہ ہے، جو اس چیز کی طرح نگاہوں کے سامنے رہے اسے قبلہ کہا جاتا ہے۔

درحقیقت اللہ چاہتا ہے کہ پوری نوع انسان ایک مرکز پر جمع ہو جائے لہذا اس نے اس مقصد کے لئے جس مقام کو

منتخب کیا اس کے متعلق ارشاد ہے:

''پوری نوع انسانی کے لئے پناہ گاہ اور جائے امن'' (سورہ البقرہ۔آیت 125)

جہاں تک خود اہل ایمان کا تعلق ہے، تعین قبلہ کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ:

''اور اس طرح ہم نے تمہیں ایک بین الانسانی حیثیت والی امت بنا دیا کہ تم تمام نسل انسانی کے حقوق وفرائض کی نگرانی کرو اور تمہارا مرکز ملت یا رسول تمہارے حقوق وفرائض کی نگرانی کرے۔'' (سورہ البقرہ۔آیت 143)

یہ ہے اس مقام (قبلہ) کی اصلی حیثیت۔ اس کے علاوہ اس مقام کے ساتھ دور حاضر میں جن مذہبی تعلقات اور تقدسات کو وابستہ کیا جاتا ہے، نمازوں میں اس قبلہ کی مقصدیت سمجھنے کی بجائے محض اس کی طرف علامتی رخ کیا جاتا ہے اور رہی حج کی شکل میں اس کی زیارت کی جاتی ہے، اس کی حیثیت اس کے سوا کچھ نہیں کہ:

''نیکی اس میں نہیں کہ تم اپنے منہ مشرق کی طرف کرلو یا مغرب کی طرف کرلو'' (سورہ البقرہ۔آیت 177)

قبلہ کے تعین کے متعلق ایک غلط فہمی

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں ایک اسلامی فلاحی ریاست قائم کی مگر اس کا مرکز محسوس مدینہ کے کسی مقام کی بجائے وہی مکہ قرار دیا گیا جو اس نظام کا ترجمان تھا جس نظام کے تحت یہ مملکت وجود میں آئی تھی۔ اس وقت چونکہ کعبہ یا مکہ مشرکین عرب کے قبضہ میں تھا۔ چنانچہ مدینہ میں رہتے ہوئے بارہا یہ خواہش اور آرزو رسول اللہ ﷺ کے دل میں موجود رہتی تھی کہ کاش اللہ کے اس نظام کا مرکز محسوس (خانہ کعبہ) بھی ہماری اسی مدنی فلاحی ریاست کے پاس ہونا چاہیے۔ چنانچہ اللہ نے اس کا آپ سے وعدہ کیا جو فتح مکہ کے ساتھ پورا ہوا۔ یوں کعبہ اس امت کی توجہات کا مرکز اور قبلہ قرار پایا۔ یہ ہے کعبہ کے قبلہ ہونے کا مطلب۔

یہ خیال کہ پہلے قبلہ بیت المقدس تھا اور بعد میں کعبہ بنا درست نہیں۔ قرآن اس کی تائید نہیں کرتا۔ کیونکہ سورہ حج پڑھ کر دیکھ لیں کعبہ تو امت مسلمہ کا قبلہ حضرت ابراہیمؑ کے ہی زمانہ سے قرار پا چکا تھا اور نبی کریم ﷺ اور اہل ایمان کو چونکہ

ملت ابراہیمی کا پیرو قرار دیا گیا تھا اس لئے ان کا قبلہ شروع دن سے کعبہ ہی تھا، نہ کہ بیت المقدس یا مسجد اقصیٰ۔ یہ تصور غلط ہے اور اس سے متعلق تمام روایات من گھڑت ہیں۔

بیت المقدس یہودیوں کے لئے اجتماعی مرکز تھا لیکن یہودیوں نے اللہ کے دیے ہوئے دین کو ہر بار مذہب میں تبدیل کر کے اپنی نسل تک محدود کرلیا تو یہ مرکز (بیت المقدس) بھی ان کا گروہی مرکز ہی بن کر رہ گیا تھا اور عالمگیر انسانی برادری کا مرکز نہیں رہا تھا۔ ایک یہود پر ہی کیا موقوف اس وقت دنیا میں موجود کسی بھی مذہب یا فلسفہ کے سامنے عالمگیر انسانیت کی وحدت کا تصور موجود نہیں تھا۔ ان کے برعکس قرآن کے پیش نظر تمام نوع انسانی کو ایک مرکز پر جمع کرنا تھا۔ اس لئے قرآن تو ان گروہی مراکز (بیت المقدس) میں سے کسی کو بھی اپنا مرکز قرار نہیں دے سکتا تھا۔ سوائے اس مرکزِ محترم (کعبہ) کے جس کی بنیاد حضرت ابراہیمؑ نے اس مقصد کے لئے رکھی تھی۔ اور ویسے بھی دور رسالت میں بیت المقدس کا کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ وہ تباہ شدہ اور منہدم حالت میں تھا تو اسے مرکز قرار دینے یا قبلہ اول متعین کرنے کا کیا جواز؟

دنیا کا پہلا بین الانسانی مرکز خانہ کعبہ ہے

"یہ پہلا بین الانسانی مرکز ہے جو پوری نوع انسانی کے لئے مکہ کے مقام پر بنایا گیا ہے۔ جہاں سے عالم انسانی کو خیر و برکت اور رہنمائی حاصل ہوگی۔ یہ رہنمائی بڑی واضح ہے۔ جس سے ابراہیمؑ کو بلند مقام حاصل ہوا تھا۔ جو قوم اس جماعت اور عالمی تنظیم میں شامل ہو جائیگی، اسے امن و سلامتی نصیب ہو جائیگی" (سورہ آل عمران۔ آیت 96)

اس عالمی انسانی مرکز کے قیام کا مقصد اقوام عالم کے الجھے ہوئے مسائل کو سنوارنا تھا۔

"اور جب ابراہیم کے ہاتھوں اللہ کے نظام کا یہ مرکز قائم ہوا تا کہ اللہ کے قوانین کے ساتھ کسی اور قانون کی اطاعت نہ ہو، اور اللہ کے اس گھر کو تمام خود ساختہ تصورات و اعتقادات سے پاک رکھے، اقوام عالم کی نگرانی و پاسبانی کرنے والوں کے لئے جو دنیا کے معاملات کو ہموار اور درست رکھیں۔ اور اللہ کے قوانین کے آگے جھکے رہیں۔" (سورہ

الحج۔آیت 26)

آج اقوامِ عالم نے اقوامِ متحدہ کی تشکیل کر کے نیویارک کے اس دفتر کو عالمی قبلہ بنا کر عالمگیر حکومت کی بنیاد تو رکھ دی مگر یہ حکومت چونکہ قرآنی نہ تھی اور فلاحی کی بجائے استحصالی نکتہ نظر سے بنائی گئی اس لئے باطل ٹھہری۔اس کی بجائے اللہ نے چودہ سو سال پہلے ہی تمام دنیا کے انسانوں کے لئے ایک ''عالمی مرکزِ اقوامِ متحدہ'' کعبہ کی شکل میں قائم کر دیا تھا۔مگر اس کی حقیقی حیثیت ہی مسلمانوں نے گم کر دی۔آج وہ صرف حج و عمرہ نامی زیارتوں کے قابل ہی رہ گیا ہے۔عالمی معاملات کو سنوارنے کے لئے استعمال نہیں ہو رہا۔کعبہ کو پھر سے حقیقی حیثیت واپس مل سکتی ہے اگر دنیا میں انسانی فلاحی نظامِ صلوٰۃ پھر سے قائم ہو جائے۔لیکن اس نظام کے قیام کے لئے ہمیں اس وقت کیا کرنا ہو گا؟ یہ جاننے کے لئے آگے بڑھیں۔

باب ہشتم: صلوٰۃ کے قرآنی نظام سے امت کا فرار اور اس کی بڑی وجوہات

ہمارے ہاں مروج بے روح اور باطل نمازوں کا احوال جنہیں قرآن کفر کہہ چکا ہے۔

قرآن کریم میں انسانی فلاحی نظام صلوٰۃ کو ترک کر کے اسے رسمی نماز میں تبدیل کر دینے والوں کے لئے ایک لفظ استعمال کیا گیا ہے ''الکسل''۔ الکسل سے مراد کسی ایسے کام میں بیزاری اور اکتاہٹ کا اظہار کرنا جس میں بیزاری اور اکتاہٹ نہیں کرنی چاہیے۔ الکسل روئی دھننے کی کمان کی تانت جو کمان سے الگ کر دی گئی ہو، اس کے لئے بھی مستعمل ہے۔ ظاہر ہے اس حالت میں بھی کمان اور تانت موجود تو رہتی ہیں مگر ان دونوں میں باہمی ربط نہ رہنے کی وجہ سے روئی نہیں دھنی جاسکتی اور اسی وجہ سے دونوں بیکار ہوتی ہیں۔

اس لفظ کے بنیادی معانی کو سامنے رکھ کر اب اس آیتِ قرآنی پر غور کریں۔ جس میں کہا گیا ہے کہ:

''واذا قاموا الی الصلوٰۃ قاموا کسالیٰ'' (سورہ النساء۔ آیت 142)

مفہوم: یہ لوگ (اللہ کا نظام قائم کئے بغیر صلوٰۃ کے نام پر جو کچھ کرتے ہیں وہ ایسا ہے جیسے روئی دھننے والی کمان سے تانت الگ کر کے روئی دھننے کی کوشش کی جائے۔

گزشتہ صفحات میں قرآنی صلوٰۃ کے اسلامی فلاحی نظام کے موضوع پر جو مفصل بحث کی گئی اس سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ صلوٰۃ اللہ کا دیا ہوا وہ انسانیت ساز نظام ہے جو انسان کی پوری زندگی پر محیط ہوتا ہے۔ انسانی زندگی کے تمام انفرادی معاملات و اجتماعی زندگی اس نظام کے دائرہ کار میں آتے ہیں۔ اور اس فریضہ کی ادائیگی اسی صورت میں ہو سکتی ہے جب ان تمام فرائض منصبی کو ادا کیا جائے جو اللہ کے نظام صلوٰۃ کی جانب سے فرد اور معاشرہ پر عائد ہوتے ہیں۔ یہ فرائض پہلے بھی بیان کر چکا ہوں۔ اور یاد دہانی کی غرض سے اب بھی مختصراً کر دیتا ہوں

(1) عبادت و بندگی کے قرآنی اصولوں کی روشنی میں ایک عالمگیر اسلامی فلاحی ریاست قائم کرنا

(2) باہمی مشاورت سے اپنا ایک امیر اور مرکز ملت منتخب کرنا جس کا فریضہ اس نظام صلوٰۃ کا نفاذ ہو اور وہ پوری نوع

انسانی کی ذات کی نشوونما اور فلاح و بہبود اور معاشی خوشحالی و پرورش کا ذمہ دار ہو۔

(3) افرادِ معاشرہ کا قرآن کریم کے اصولوں پر کاربند اس مرکزِ ملت کی پوری پوری اطاعت کرنا اور جملہ نوع انسانی کے لئے ایک ایسا معاشی فلاحی نظام قائم کرنا جس میں کوئی انسان محرومی سے دوچار نہ ہو، سب کی جائز ضروریات پوری ہوں اور معاشرہ میں طبقاتی تقسیم کا خاتمہ کر کے دولت کی تقسیم یکساں طور پر سب افراد میں کی جائے۔ ارتکازِ دولت کا تصور ہی ختم کر دیا جائے تا کہ امیر و غریب کے بڑھتے ہوئے فرق کی وجہ سے انسانوں میں ایک دوسرے کے لئے حسد، نفرت اور احساس کمتری باقی نہ رہے اور سب انسان معاشی طور پر برابر ہو جائیں۔ آپ کمتر پیشے اور محنت مزدوری ختم تو نہیں کر سکتے مگر ان کی محرومیوں کا ازالہ کر کے ان کو بہتر رزق اور معاش تو فراہم کر سکتے ہیں۔ اور یہی نظامِ صلوٰۃ کے تحت خلیفہ رسول (مرکزِ ملت) اور اس کا ساتھ دینے والے افرادِ معاشرہ (ملت اسلامیہ) کا اولین فریضہ ہوگا۔ یہی وجہ تھی جو تاریخ انسانی کے عظیم رہنما و حکمران حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا تھا کہ:

"اگر دریائے فرات کے کنارے ایک کتا بھی پیاس سے مر گیا تو قیامت کے روز عمر ذمہ دار ہوگا"۔

نوع انسانی کے رزق و پرورش کی مکمل ذمہ داری اس مرکزِ ملت اور اس کے عمال (ذیلی حکومتوں) کی ذمہ داری ہوگی جو اس نظامِ صلوٰۃ کے تحت ذمہ دار حکمران ہونگے۔

(4) ہر شخص اپنے اپنے سماجی، معاشی، معاشرتی، خاندانی اور دینی فرائض منصبی سر انجام دے گا۔ اور ہر شخص کی یہ ذمہ داری (پڑھیے: صلوٰۃ فرائض منصبی کے معنی میں) ہوگی کہ وہ دوسرے لوگوں سے سماجی تعلقات بہتر بنائے، اخلاقیات کو اپنی زندگی کا اصول بنائے، اپنے کنبہ کی کفالت کے لئے اپنے کاروباری فرائض کو تندہی سے سر انجام دے، کام چوری نہ کرے، اپنے رشتہ داروں والدین اور بیوی بچوں سے حسن سلوک کرے، ان تمام فرائض کے بغیر جو بھی شخص اپنا سارا زور نماز پر ہی رکھے گا وہ صلوٰۃ کا تارک ہونے کی وجہ سے گنہگار و منکرِ قرآن کہلائے گا اور صلوٰۃ کے تارک کو اللہ نے قرآن میں کافر کہہ کر پکارا ہے۔ ایک غریب آدمی جو ساری عمر انتہائی محنت سے مزدوری و مشقت کر کے اپنا اور

اپنے بیوی بچوں کا پیٹ پالتا ہے۔وہ بھی نظام کی معاشی مدد(زکوۃ،عطیات،صدقات) کے بغیر،وہ شخص قرآن کی رو سے صلوۃ کا قائم کرنے والا ہوگا،جبکہ صرف نمازیں پڑھتا رہنے والا مسلمان جو سارا زور نماز پر رکھے اور دوسری طرف نہ اس کا اخلاق اچھا ہو،نہ اس سے سماج،کنبہ،فیملی،رشتہ دار خوش ہوں،ماں باپ کا نافرمان ہو،کام چور ہو اور اپنی صلاحیتوں کو حصول رزق کی کوششوں(ملازمت و کاروبار) کے لئے استعمال نہ کرتا ہو،نہ زبان شائستہ نہ دل نرم۔کاروبار کرے تو دھوکہ دہی سے لوگوں کا حق مارے،نماز پڑھ کر مسجد سے نکلے تو باہر کھڑے یتیم بچے کو دامن پکڑ کر خیرات مانگنے کے جرم میں ٹھڈا مار کر دور پھینک دے۔حج یا عمرہ پر لاکھوں روپے پانی کی طرح بہادے،مگر ساتھ ہمسایہ میں بیوہ عورت اور اس کے یتیم بچوں کے سر پر ہاتھ نہ رکھے جن کا کفیل اور واحد سہارا دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد ان کی زندگی کٹھن ہو کر رہ گئی اور وہ دو وقت کی روٹی کے لئے ترسنے لگے ہوں۔

اس کے بینک اکاؤنٹس میں لاکھوں روپے روزانہ کے حساب سے جمع ہوتے جا رہے ہوں جبکہ بھوک سے مرتے اور خودکشیاں کرتے لوگوں کی جان بچانے کے لئے چند ہزار روپے ماہانہ بھی ان کو دینے کو تیار نہ ہو اور یہ کہے کہ ان کی قسمت ہی ایسی لکھی تھی۔ایسے نمازی،ایسے حاجی،ایسے روزہ دار اور ایسے "نیک،دیندار" مسلمان کی ان "عبادات" کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کفر قرار دے دیا ہے۔اور کہا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دینے کی کوشش ہے،بے روح اور رٹے رٹائے الفاظ کی صورت رسوماتِ مذہبی ادا کرنے کے ساتھ ساتھ رزق اور دولت کے سرچشموں کے آگے بند باندھ کر نوع انسانی کو اللہ کے دیئے ہوئے رزق سے محروم کرنے والوں کے لئے مندرجہ ذیل آیات قرآنی وعید میں نازل کی گئی ہیں۔انہیں پڑھئے اور اپنی نمازوں پر غور کریں اور انہیں ترک کر کے قرآنی فلسفہ اقامتِ صلوۃ اور ایتائے زکوۃ کو سمجھیں اور اس پر عمل کرتے ہوئے حقیقی مسلمان ہونے کا ثبوت دیں۔

قرآنی نظامِ صلوۃ قائم کئے بغیر محض مروجہ نمازیں ہی پڑھتے جانے والے افراد کا انجام

"محض زبانی طور پر ایمان کا اقرار کرنے والے منافقین عبادت کے نام پر اللہ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔حالانکہ دھوکہ تو

یہ اپنے آپ کو دے رہے ہیں۔ یہ لوگ (اللہ کا دیا ہوا انسانی فلاحی نظام قائم کئے بغیر) صلوٰۃ کے نام پر جو کچھ کرتے ہیں وہ ایسا ہے جیسے روئی دھننے کی کمان سے تانت الگ کر کے روئی دھننے کی کوشش کی جائے۔ ان کی یہ بے نتیجہ عبادات محض دکھاوا ہی دکھاوا ہیں۔" (سورہ النساء۔ آیت 142)

بے روح حرکتوں اور نا سمجھ آنیوالے قرآن سے بھرپور مروجہ نماز جیسے کفر کا نتیجہ دنیا و آخرت میں عذاب ہے

"ان کی صلوٰۃ اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ کے گھر میں جا کر کچھ آوازیں (رٹے رٹائے الفاظ) اور کچھ حرکتیں (بے روح) ہیں۔ پس کیا نتیجہ نکل سکتا ہے اس طرح کے کفر کا دنیا و آخرت میں عذاب چکھنے کے سوا" (سورہ الانفال۔ آیت 35)

بربادی ہے جعلی مصلین (نمازیوں) کے لئے جن سے دین اسلام کی بدنامی ہو رہی ہے

"دین کے ان دعویداروں کی حالت پر غور کیا جن سے دین اسلام کی تکذیب (و تذلیل) ہو رہی ہے؟ یہی وہ لوگ ہیں جن کے معاشرہ میں کمزور و بے آسرا کو دھکے پڑتے ہیں اور جن کے ہاں معذور و بیروزگار افراد کی روزی کا کوئی انتظام نہیں۔ پس بربادی ہے ایسے جعلی مصلین (نمازیوں) کے لئے جو صلوٰۃ کی حقیقت سے بے خبر ہیں۔ یہ لوگ ایک طرف تو دکھاوے کی جعلی عبادت کرتے ہیں اور دوسری طرف رزق کے سرچشموں کے آگے بند باندھ کر نوع انسانی کو بنیادی سامان زندگی سے بھی محروم کر دیتے ہیں" (سورہ الماعون مکمل)

ان کا انجام جو صرف باتیں ہی بناتے رہے

"اہل جنت پوچھیں گے مجرمین سے کہ تمہیں کس جرم میں دوزخ میں آنا پڑا؟ وہ کہیں گے کہ ہم نے اللہ کا دیا ہوا فلاحی نظام صلوٰۃ قائم نہیں کیا تھا اور اس طرح معذور و بیروزگار افراد کی روزی کا کوئی انتظام نہیں کیا تھا۔ اس سلسلہ میں ہم دوسروں کے ساتھ مل کر صرف باتیں ہی بناتے رہتے تھے۔ اور یوں اپنی بے عملی سے یوم آخرت اور قانون مکافات کی تکذیب کرتے رہے۔ حتیٰ کہ ہمارے اعمال کے نتائج ہمارے سامنے آ گئے اور ہمیں کسی شفاعت کرنے والے کی

شفاعت کا کچھ فائدہ حاصل نہ ہو سکا۔" سورہ المدثر۔آیت 40)

مرکزِ ملت اور اسلامی حکومت کا ساتھ دیتے ہوئے اپنی کمائی میں سے بہترین حصہ زکوٰۃ کی صورت میں مرکزِ ملت کے بیت المال میں جمع کرائے تاکہ اس کی دولت سے دوسرے کم کمانے والے افراد کی آمدنیوں کی کمی کا ازالہ ہو سکے۔ اور ارتکازِ دولت سے بچا جا سکے۔ یاد رکھئے۔ ارتکازِ دولت معاشرتی طبقوں اور انسانوں میں نفرتیں پیدا کرتا اور بڑھاتا ہے۔ جیسے آج غریب لوگ اپنی محرومیوں کو روتے ہوئے امیروں اور حکمران طبقہ کی عیاشیاں دیکھ کر ان سے بے تحاشا نفرت کرتے ہیں اسی طرح امیر بھی اپنے سے غریب افراد کو منہ لگانا پسند نہیں کرتے۔ تو اسلامی نظامِ صلوٰۃ میں ارتکازِ دولت کی ممانعت کی یہی ایک بڑی وجہ تھی کہ معاشرتی اکائیوں (افراد) میں باہمی نفرتوں کی بجائے محبتیں بڑھیں۔ اور ایک دوسرے کا احساس پیدا ہو۔ اور اسلامی ریاست کے سب افراد میں آپس میں محبت اور احساس تب ہی پیدا ہو گا جب وہ جانتے ہونگے کہ ہم سب لوگ اپنے مرکزِ ملت کے تحت ایک دوسرے کا معاشی سہارا بنے ہوئے ہیں اور اور ایک دوسرے کو اپنی آمدنی سے قرآنی حصہ دیتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا بھی حکم ہے کہ:

"اے نبی وہ تم سے پوچھتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں کیا خرچ کریں، کہہ دو کہ جو بھی ضرورت سے زائد ہو، اللہ کی راہ میں دے دو"۔ (سورہ۔۔۔۔۔)

مسلمان اگر اس اصول "ضرورت سے زائد سب دے دو" کو پالیں تو ان کا بیڑہ پار لگ جائے۔

اس کے بغیر صلوٰۃ کے نام پر جو کچھ کیا جائیگا (مروجہ نمازیں) وہ ایسا ہی ہوگا جیسے کمان سے تانت الگ کر کے روئی دھننے کی کوشش کی جائے۔

مروجہ نماز شروع کیسے اور کب ہوئی؟ کس قوت نے اسے نظامِ صلوٰۃ کی کائناتی وسعتوں سے سمیٹ کر مسجد کے تاریک کونے میں قید کر دیا؟

جب تک مدینہ کے اندر خلافت کا نظام خداوندی قرآنی اصولوں کے مطابق قائم رہا، یہ حقیقت نگاہوں کے سامنے رہی

کہ صلوٰۃ اصل میں ہے کیا۔ صلوٰۃ کی تینوں جہتوں (اطاعتِ قرآنی نظام و مرکزِ ملت، قرآن فہمی اور مشاورت کے اجتماعات، اور انفرادی دنیاوی فرائض منصبی کی ادائیگی) پر مکمل عمل مرکزِ ملت اور افرادِ معاشرہ کی طرف سے ہوتا چلا گیا۔ مرکزِ ملت کی بھی اطاعت ہوتی رہی اور مرکزِ ملت افرادِ معاشرہ کی کفالت و پرورش (زکوٰۃ) بھی ریاستی ذمہ داری کے تحت کرتا چلا گیا اور مسجد نبوی میں اجتماعاتِ صلوٰۃ بھی ایک مستقل بنیاد پر منعقد ہوتے رہے اور مشاورت کی غرض سے ہنگامی طور پر بھی بلائے جاتے رہے۔ ان میں قرآن پڑھا بھی جاتا رہا اور سب اسے سمجھتے اور دلوں میں منقش بھی کرتے رہے۔ اور ظاہری حرکات و سکنات سے اس تمام نظام کی پیروی و اطاعت کی مشق اور اعادہ بھی ہوتا چلا گیا۔ لوگ قرآنی حکم "قل العفو" کے تحت اپنی ضرورت سے زائد سب مال خلیفہ کے بیت المال میں جمع کراتے رہے اور یہ بیت المال تمام افرادِ معاشرہ کی برابر کفالت و پرورش قرآنی اصول "واقیم الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ" کے تحت کرتا چلا گیا۔

اس دورِ خلافت راشدہ میں نہ تو موجودہ دور والی نماز کا کوئی تصور موجود تھا، نہ ہی موجودہ دور جیسی حکومت کا تصور تھا۔ سیاست اور دین ایک تھے اور مرکزِ ملت کے ہاتھ میں ہی سیاست کے علاوہ دینی احکام کی اطاعت کرانے کی ذمہ داری تھی۔ سیاست و مذہب میں باہمی دوری نہ تھی۔

لیکن جونہی خلافت کے قرآنی اصولوں کو پامال کرتے ہوئے اس نظامِ خلافت کو انفرادی ملوکیت یا بادشاہت میں تبدیل کیا گیا تو بدقسمتی نے مسلمانوں کو پکڑ لیا۔ اسی دن سے سارا بیڑہ غرق ہونا شروع ہوا۔ اور دین کی حقیقی شکل مسخ ہونی شروع ہوگئی۔ یہ آہستہ آہستہ مذہب میں تبدیل ہونے لگا۔ اور مذہب اور سیاست الگ الگ ہو گئے۔

سیاست اور حکومتی امور کو سلاطین نے اپنے ہاتھ میں لے لیا اور نام کے خلیفہ رہ گئے اور خلافت کی ان قرآنی ذمہ داریوں (اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ) کو یکسر بھول گئے۔ بلکہ دانستہ بھلا دیا۔ اور اپنی حکومت کرنے اور اقتدار کو طول دینے کے منصوبوں اور عوام کو برابر رزق دینے اور ان کی معاشی پرورش و نشوونما کرنے کی بجائے ان کے معاشی

استحصال میں مصروف ہو گئے۔

دوسری طرف مذہبی امور کو اس دور کے علماء کہلانے والے ایک طبقہ نے اپنے ہاتھ میں لے لیا جنہیں ہم مذہبی پیشوائیت کہتے ہیں۔ چنانچہ مذہبی امور (عقائد، عبادات، نکاح، طلاق، وراثت وغیرہ جیسے شخصی قوانین) ان علما کے سپرد کر دئے گئے۔ اب خدا اور رسول کی اطاعت کا وہ تصور بھی باقی نہ رہا جو خلافت کے دور کا خاصہ تھا۔ کیونکہ جب حکومت نے یہ اپنا فرض ہی سمجھنا چھوڑ دیا کہ اس کا مقصد احکاماتِ خداوندی کا نفاذ ہی نہ رہا تو پھر ظاہر ہے اس کی اطاعت بھی عوام پر فرض نہ رہی۔

اس وقت پھر یہ سوال پیدا ہوا کہ اب خدا اور رسول کی قرآنی اطاعت کیسے کی جائے؟ اب ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ پھر سے امت میں وہی نظامِ خلافت پھر سے قائم کیا جاتا جس کی بنیاد قرآنی اصولوں (نظامِ صلوٰۃ وزکوٰۃ) پر تھی، مگر ایسا نہ کیا گیا۔ اس کے بعد صرف یہی چارہ سمجھا گیا کہ اللہ کی اطاعت قرآن کے ذریعے اور رسول کی اطاعت ان کے ارشادات کو جمع کر کے ان کے ذریعے کی جائے۔

ملوکیت کی بنیادی خرابیاں

جب ملوکیت کسی قوم پر مسلط ہوتی ہے تو پھر مذہبی پیشوائیت اور روشن خیال (Liberal) طبقہ میں آپس میں رسہ کشی شروع ہو جاتی ہے اور اس کا فائدہ صرف حاکم طبقہ اٹھا رہا ہوتا ہے۔ حاکم وقت اپنے مذموم مقاصد اور استحصالی اقتدار کو قائم رکھنے کے لئے مذہبی پیشوائیت (ملا) کو بھی استعمال کرتا ہے اور معاشرہ کے لبرل طبقہ کو بھی۔

اسلامی تاریخ میں سب سے پہلے ملوکیت کا آغاز بنوامیہ کے حکمرانوں کی صورت میں شروع ہوا۔ بادشاہوں میں ایک خصوصیت ہوتی ہے۔ ایک تو وہ اپنے اوپر کسی قسم کی تنقید برداشت نہیں کرتے (جیسا سعودی بادشاہت میں دیکھا گیا ہے)، دوسرا وہ اپنی بادشاہت کو اپنی وراثت سمجھتے ہوئے نسل در نسل منتقل کر کے اپنے ہی خاندان میں قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ ان دونوں مقاصد کے لئے وہ دو طریقے استعمال کرتے ہیں۔

(i) ظلم و جبر

(ii) مذہبی پیشوائیت اور درباری مفتیان کے ذریعے فتویٰ سازی۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ سلاطین ان درباری ملاؤں کے کردار کی وجہ سے مسند اقتدار پر عوام کو یہ تاثر دیکر چمٹے رہے کہ وہ اللہ کی طرف سے مقرر کردہ حاکم ہیں۔ خدا نے ان کو رعایا پر حاکیت دی ہے۔ عوام کو جو میسر نہیں وہ ان کی "تقدیر" کی ہی خامی ہے۔ اور تقدیر لکھنے والا خدا ہے۔ پس اگر اسی خدا نے ہی ان کو کچھ نہیں دیا تو اس میں حکمرانوں کا کیا قصور۔ پھر اپنی اس بات کی تصدیق میں وہ قرآن کی مندرجہ ذیل آیات پڑھ کر عوام میں پرچار کیا کرتے تھے کہ "اللہ ہی ہر کسی کو رزق دینے والا ہے، خوشحالی دینے والا ہے اور عزت و ذلت دینے کا فیصلہ بھی اسی کا من پسند ہوتا ہے"۔ اللہ کے سوا یہ چیزیں کوئی کسی کو نہیں دے سکتا۔

یہ سب مذہبی پیشوائیت کی چال تھی جس نے بادشاہ کو اللہ کی طرف سے متعین کردہ حاکم اور خود کو اس حاکم کی طرف سے متعین کردہ "عالم" مشہور کر رکھا تھا تا کہ حاکم وقت اسے انعام و کرام سے نوازتا ہی رہے۔ اور وہ اس چال میں خوب کامیاب رہا۔

جب بھی عوام نے حکمرانوں کی زیادتیوں اور لوٹ مار کا شکوہ کیا تو انہیں یہ کہہ کر چپ کرا دیا گیا کہ:

"قرآن کی رو سے حاکم وقت (مرکز ملت) کی پیروی نہایت ضروری ہے۔"

لیکن یہ احکامات صادر کرنے والی مذہبی پیشوائیت سے کسی نے نہ پوچھا کہ اسی قرآن نے حاکم کے اوصاف کیا بتائے ہیں؟ جن کی پیروی ضروری ہے۔ اگر مذہبی پیشوائیت کی نیت صاف ہوتی تو وہ ساتھ عوام کو یہ بھی بتاتا کہ جب خلیفہ اول حضرت صدیق اکبرؓ نے خلافت کا عہدہ سنبھالا تھا تو اپنے پہلے خطبہ میں ہی اعلان فرما دیا تھا کہ:

"اے مسلمانو۔ میری اطاعت کرو۔ اس وقت تک جب تک میں اللہ کے قرآن اور رسول کی پیروی کروں۔ اور اگر تم دیکھو کہ میں اللہ اور رسول کی اطاعت میں ٹیڑھا ہو رہا ہوں تو تم مجھے سیدھا کر دو۔"

یہی بات خلیفہ دوم حضرت عمرؓ نے بھی فرمائی تھی۔ چنانچہ تاریخ میں ہے کہ دوران خطبہ منبر پر ہی لوگ کچھ معاملات پر تنقید کر دیا کرتے تھے کہ اے عمرؓ یہ بات ایسے کیوں ہوئی ؟ اور کس طرح ہوئی ؟ اور حضرت عمرؓ اس پر بجائے غصہ میں آنے کے ان کو وہیں مطمئن کیا کرتے تھے۔

لیکن مولوی یہ بات لوگوں کو کیوں بتاتا ؟ سلاطین اسلام اور مذہبی پیشوائیت کا تو آپس میں گہرا گٹھ جوڑ تھا۔ انہوں نے عوام کے معاشی استحصال و لوٹ مار میں برابر کی حصہ داری کا باہمی معاہدہ سائن کیا ہوا تھا۔ جیسا کہ روز ازل سے ہوتا چلا آیا ہے۔ علماء کہلانے والے مولویوں نے خوشامدیں کر کے سلاطین کے درباروں میں ایک مستحکم مقام بنا لیا۔ اب سلاطین نے سوچا کہ قرآن نے جو حکم دیا ہے کہ نظامِ صلوٰۃ کی صورت میں انسانی عالمی فلاحی نظام قائم کرو اور زکوٰۃ کے ذریعے عوام کی پرورش و نشوونما کا فریضہ پورا کرو تو ہم تو ایسا نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اس سے ہماری لوٹ مار اور استحصال کیسے قائم رہے گا ؟ ایسا کرتے ہیں کہ علماء (درباری ملا) کے ذریعے عوام میں دو عقائد کو عام کرتے ہیں۔ اور انکو رسمی نمازوں پر لگا کر انہیں اپنا رزق اللہ سے مانگنے کی تلقین کرتے ہیں۔ اور خود اپنی لوٹ مار اور استحصالی نظام کو قائم رکھ کر اقتدار کے مزے لوٹتے ہیں۔ چنانچہ اس دور ملوکیت کے سلاطین نے اپنے اپنے ادوار کے علماء کو ساتھ ملا کر مندرجہ ذیل عقائد کی عوام میں بذریعہ وضع کردہ احادیث و روایات بھرپور اشاعت کی اور نظامِ صلوٰۃ کے قیام کو پانچ وقت کی نماز "پڑھنے" میں کامیابی سے تبدیل کر دیا اور عوام کی توجہ مرکز ملت سے مانگنے سے ہٹا کر اللہ سے مانگنے پر مرکوز کر دی۔ اور آج تک ایسا ہو رہا ہے۔ عوام میں مندرجہ ذیل غیر قرآنی عقائد پھیلائے گئے۔

(1) تمہاری تقدیر پہلے سے لکھی ہوئی ہے۔ کسی کی قسمت میں کم رزق ہے اور کسی کی قسمت میں زیادہ۔ پس یہ اللہ کی تقسیم ہے۔ اس میں تمہارا کوئی اختیار نہیں اور تم اسے تبدیل نہیں کر سکتے۔ پس اپنی بری یا اچھی قسمت پر صبر و شکر کرو۔

(2) اللہ ہی رزق دینے والا ہے اور اللہ ہی رزق تقسیم کرنے والا بھی۔ ریاست کی کوئی ذمہ داری نہیں کہ تم عوام کو رزق

کی ذمہ داری دے اور تمہاری پرورش ونشوونما کرے۔لیکن قرآن کے اندر حکم صلوٰۃ اورزکوٰۃ پر بھی عمل کرنا آپ سب کے لئے بحثیت ضروری ہے۔پس صلوٰۃ جیسے دور خلافت میں مسجد نبوی میں پڑھی جاتی تھی (محض قرآن فہمی کے اجتماعات اور حرکات وسکنات کا ہی ذکر کر کے اسی پر زور دیا گیا) اسے قائم رکھو،اور اسے اسلامی فلاحی نظام یا انسانی پرورش کرنے والے فلاحی نظام (صلوٰۃ) سے مربوط نہ کرو۔یہی مسجد کے اندر ادا کی جانیوالی صلوٰۃ ہی اصلی صلوٰۃ ہے۔پس اسے ہی پانچ اوقات میں جاری رکھواور مکمل پابندی سے پانچ وقت پڑھو۔اسی سے آپ کا نظام صلوٰۃ قائم ہوگا اور قرآن پر عمل ہوگا۔ساتھ سال بعد دور رسالت والی اڑھائی فیصد زکوٰۃ دیتے رہنا کہ زکوٰۃ کے حکم پر بھی عمل ہوتا رہے۔بس۔۔۔۔۔عوام ساری اسی کام میں لگ گئی اور اسی ایک شکل (مسجد کے اندر قرآن فہمی کے اجتماعات والی) کو ہی مکمل صلوٰۃ سمجھ لیا۔اور آج تک ایسا ہوتا آرہا ہے۔

پھر جب اسلام سرزمین عرب سے نکل کر عجم اور باقی دنیا میں پہنچا تو صلوٰۃ کی اس ایک ہی باقی رہ جانیوالی شکل میں سے قرآن فہمی بھی غائب ہوگئی۔کیونکہ قرآن فہمی تو ظاہر ہے عرب میں ہی ہوتی تھی جو صلوٰۃ میں پڑھا جانیوالا قرآن ساتھ ساتھ سمجھ بھی رہے ہوتے تھے۔مگر جب دوسرے خطوں میں اسلام پہنچا تو وہاں بھی ظاہر ہے ملوکیت کی مقرر کردہ یہی نماز پہنچائی گئی۔اور چونکہ وہاں عوام عربی زبان سے ناواقف تھی۔اس لئے وہ رسمی طور پر بغیر سمجھے قرآن کو اس میں پڑھتے رہے اور ساتھ مقتدی بھی کھڑے سنتے رہے (بغیر کچھ سمجھے جانے)۔تو قرآن فہمی بھی ختم اور صلوٰۃ کا مقصد مکمل طور پر فوت ہوگیا۔اور آج ہمارے سامنے وہی بے مقصد صلوٰۃ موجود ہے جسے ہم نماز کہتے ہیں اور جس میں دور رسالت وخلافت والا کوئی فریضہ سرانجام نہیں دیا جاتا۔

نہ تو قرآن میں انفرادی صلوٰۃ کا کوئی تصور ہے نہ مسجد والی باجماعت صلوٰۃ اجتماعی صلوٰۃ ہے۔دونوں انفرادی اور غیر قرآنی رسوم ہیں۔

نہ اس سے مراد مرکز ملت اور اللہ کے قرآنی اصولوں کی ہردم اطاعت کی مشق ہوتی ہے (کیونکہ مرکز ملت ہے ہی نہیں)

نہ اس میں قرآن فہمی کی جاتی ہے۔(قرآن کو نماز میں پڑھتے ہوئے کوئی سمجھتا ہی نہیں تو قرآن فہمی کیسے ہو؟)

نہ اس میں امت کے امور کے متعلق مشاورت و مسائل کا حل پیش کیا جاتا ہے۔ حالانکہ مشاورت کو صلوٰۃ کا اہم ترین حصہ قرار دیا گیا ہے جیسا کہ میں مضمون کے اندر پہلے بھی وضاحت کر چکا ہوں۔(نماز پڑھنے چپ کر کے آتے ہیں اور پڑھتے ہی اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے جاتے ہیں۔)

مروجہ پانچ وقتی نماز دورِ قدیم کے انسان کی سورج پرستی کے دور کی دین ہے اور ہر معاشرہ و مذہب میں کسی نہ کسی شکل میں باقی ہے۔

میں نے اپنے ایک مضمون ''آئینہ عیسائیت و کرسمس کی تاریخ'' کے تحت بھی یہ بات ثابت کی تھی کہ سورج وہ اولین چیز تھی جسے انسان نے خدا مانا اور تسلیم کیا اور آج تک سورج پرستی کسی نہ کسی شکل میں دنیا میں قائم ہے(جاننے کے لئے پڑھیے میرا مضمون: آئینہ عیسائیت اور کرسمس کی تاریخ) اب اس سورج پرستی نے انسان کو کس کام پر لگایا ملاحظہ کریں:

قرآن میں صائبین کا ذکر آیا ہے کہ وہ اجرام فلکی کی پوجا کرتے تھے۔ صائبین دن رات میں سات نمازیں پڑھتے تھے جن میں ان کے مخصوص طریقہ کے رکوع و سجود بھی ہوتے تھے۔ لیکن ان کی یہ نمازیں سورج کے طلوع، عروج و زوال اور غروب کے اوقات کے ساتھ وابستہ تھیں۔

یہ لوگ صبح صادق پر سورج کے نکل آنے پر شکرانہ کی نماز پڑھتے تھے۔ کہ سورج نے تاریکیوں سے نکل کر دوبارہ دنیا کو روشن کر دیا اور پوری دنیا کو زندگی بخشی۔ اور طلوع آفتاب اور دوپہر کے وقت سورج کے عروج پر شکرانہ کی نماز پڑھتے تھے کہ ابھی تک سورج قائم و دائم ہے۔ اس کے بعد دو نمازیں(زوال اور غروب کے اوقات میں) تشویش کی نمازیں ہوتی تھیں کہ یہ سورج ڈوبتا چلا جا رہا ہے۔ غروب یا مغرب کے بعد خطرے کی نماز پڑھی جاتی تھی کہ سورج تاریکی کے عالم میں غائب ہو رہا ہے۔ نہ معلوم یہ کل لوٹ کر آئے یا نہ۔ پھر ایک آدھی نماز آدھی رات کے وقت پڑھی جاتی تھی جس میں سورج کی حیاتِ نو کے لئے دعائیں مانگی جاتی تھیں۔

اسلام میں اگر اجتماعاتِ صلوٰۃ کو مختلف اوقات میں رکھا گیا ہے تو مشاورت و قرآن فہمی جیسے مقاصد کے ساتھ یہ بھی خیال رکھا گیا کہ سورج کے عروج و زوال کے اوقات کیساتھ اس اسلامی اجتماعِ صلوٰۃ کو منسلک نہ کیا جا سکے۔ اسی لئے سورج کے عروج اور زوال کے اوقات میں اجتماعاتِ صلوٰۃ منعقد نہ کرنے کا حکم بھی دیا گیا تا کہ کہیں اس میں کیے جانے والے سجدہ کو سورج پرستی ہی نہ سمجھ لیا جائے۔

صرف اللہ کے رازق ہونے کے متعلق ایک قدیم غلط فہمی کا ازالہ

عموماً مسلمانوں میں مشہور ہے کہ رزق دینا صرف اللہ کی ذمہ داری ہے انسان کی نہیں۔ اور آج امیر اور غریب کے نام سے جو طبقاتی فرق قائم ہے اور بڑھتا جا رہا ہے وہ بھی صرف اللہ کی مرضی اور تقدیر کی وجہ سے ہے۔ یہ تصور سراسر غیر قرآنی اور ہمارے دورِ ملوکیت کا دیا ہوا ہے جسے ہماری اس دور کی مذہبی پیشوائیت اور ملوکیت نے سازباز کر کے وضع کیا اور عوام الناس کو پیش کر دیا تا کہ وہ حکمرانوں کی طرف سے کی جانیوالی لوٹ مار، دولت کی غیر منصفانہ تقسیم، استحصال اور ظلم و جبر پر بول نہ سکیں اور اسے حکمرانوں سے منسوب نہ کر سکیں اور اسے اپنی تقدیر سمجھ کر خاموش بیٹھ کر پانچ وقت نمازیں پڑھ کر اپنے طور پر ''صلوٰۃ'' قائم کرتے رہیں اور ہر اچھے یا برے امر کو اللہ کی دین سمجھیں۔ یہی باطل تصور ہے جس کو مٹانے کے لئے شروع دن سے اللہ وحی کی صورت انسانوں کو ہدایت دیتا رہا اور منصفانہ اسلامی فلاحی نظام قائم کرنے کی تلقین کرتا رہا تا کہ ہر انسان معاشی طور پر مستحکم ہو جائے اور محرومیاں ختم ہو جائیں مگر انسان کی مذہبی پیشوائیت اور سرمایہ داری ذہنیت رکھنے والے حکمران اس نظام کے خلاف ہمیشہ صف آرا رہے اور استحصال میں مصروف رہے۔ حتیٰ کہ قرآن دنیا میں آ گیا اور اس نے بھی اسلامی فلاحی نظام (اقامتِ صلوٰۃ و ایتائے زکوٰۃ) قائم کرنے کی شدید تلقین کی جس پر یہ تمام مضمون تحریر کیا جا رہا ہے۔ لیکن اسے بھی دورِ ملوکیت (بنو امیہ و بنی عباس کے ادوار)، مذہبی پیشوائیت (درباری ملا و بعد از دوسری صدی ہجری کے محدثین و آئمہ فارس) اور ایرانی و یہودی شکست خوردہ عناصر نے مذہبی رسمِ نماز پڑھ لینے اور اسے ہی قیامِ صلوٰۃ سمجھ کر بس سارا رزق حکمرانوں کی بجائے اللہ ہی سے

مانگنے کی غیر قرآنی باطل تعلیم پھیلائی۔

بے شک اللہ کا یہ فرمان سچ ہے کہ وہ سب کا رازق ہے۔ "واللہ خیر الرازقین"۔ مگر یہاں جو لفظ "رازقین" بولا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ رازق کچھ اور عناصر (حکمران) بھی ہیں جن کے ذمہ نوع انسانی کی یکساں پرورش ونشوونما ہے۔ اللہ تو محض خود کو ان سب سے بہتر رازق کہلاتا ہے۔ جیسا کہ آیت میں بھی "واحد رازق" ہونے کی بجائے "خیر الرازقین" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اب جاننا یہ ہے کہ اللہ سب سے بہتر رازق کیسے ہے؟

اللہ تعالیٰ بلاشبہ سب سے بڑا رازق ہے اور وہ اپنی اس ذمہ داری کو خوب احسن طریقہ سے نبھا بھی رہا ہے۔ وہ انسان کے لئے اس کی محنت سے بھی بڑھ کر رزق کے انبار لگا دیتا ہے۔ انسان اپنی فصل میں ایک بیج بوتا ہے، اللہ اس ایک بیج سے ہزاروں نئے دانے پیدا کر دیتا ہے۔ کیونکہ زمین کے اندر یہ طاقت اللہ نے ہی رکھی ہے، نہ کہ کسی انسان نے۔ اسی طرح آسمان سے بے تحاشا بارش برسا کر سوکھی فصلوں کو ہرا ابھرا اور بنجر زمینوں کو قابل کاشت بنا دیتا ہے۔ سورج کی کرنوں سے دانے اور پھل سبزیاں پکا کر انہیں قابل خورد ونوش بنا دیتا ہے۔ ہواؤں کے ذریعے بادلوں کو اڑا کر مختلف مقامات پر رزق کی پیداوار کے لئے بارش برسانے کے لئے استعمال کرتا ہے۔ سمندروں میں بے تحاشا رزق (تازہ گوشت) کو نمکین پانی (سمندروں) کے ذریعہ ہمیشہ سے محفوظ رکھے ہوئے ہے۔ انسان کی زمین پر آمد سے پہلے اس کے استقبال کے لئے لاکھوں بڑے بڑے جانوروں (ڈائنوسارز) اور لاکھوں درختوں کو زمین کے نیچے دبا کر ان سے انسان کے لئے تیل، گیس، کوئلہ وغیرہ کے وسیع ترین ذخائر پیدا کر کے محفوظ کر چھوڑے۔ اور اس کے علاوہ بھی سونا چاندی، معدنیات اور ہیرے جواہرات وغیرہ جیسی بیش بہا دولت پیدا کر دی۔

انسان کو زندہ رہنے کیلئے خوراک، لباس و مکان پیدا کر دئے۔ اس کی بیماریوں کے علاج کے لئے جڑی بوٹیوں میں جواہر شفا ڈال دئے۔ اور اس کی دائمی بقاء کیلئے اسے الہامی کتاب وعلم عطا کیا۔ یہ سب اللہ کا دیا ہوا رزق ہی تو ہے۔ اسی کی تو بات اللہ قرآن میں جگہ جگہ کرتا ہے۔

پس دولت کی پیدائش ہو یا انسانیت کے ارتقاء کے ذرائع، اللہ ہر لحہ فراخ وکشادہ دل نظر آتا ہے۔ وہ اپنے وعدہ میں پورا اور سچا ہے۔ وہی ہے جس نے انسانیت کو رزق اور علم وعقل عطا کیا ہے۔ لیکن:

انسان کو رازق بنا کر اس کا بھی امتحان لینا مقصود ہے

اللہ نے انسانوں کو بھی رازق بنایا ہے۔ اللہ پیدائش دولت کا ذمہ دار ہے۔ جس کا ذکر میں اوپر کر چکا ہوں مگر تقسیم دولت اور تفویض علم کا ذمہ دار اللہ نہیں، اس کی ذمہ داری اس نے (اقامتِ صلوٰۃ وایتائے زکوٰۃ) کے دواہم ترین احکامات وفرائض کی صورت انسان کو سونپی ہے۔ لیکن انسان اس امتحان میں مسلسل ناکام ہوتا رہا۔ اس نے اپنی اغراض و مقاصد کے لئے خوراک اور دولت کو سمیٹنا شروع کر دیا اور انہیں ذخیرہ کر کے دوسرے انسانوں کی بھوک وافلاس اور غربت کا تماشہ دیکھنا شروع کر دیا۔ اس نے انسانوں کو غلام بنا کر انسانی حقوق کی پامالی شروع کر دی۔ اس طرح اسی انسانی غلطی کی وجہ سے انسانیت میں دو بڑے طبقات پیدا ہو گئے۔ امیر اور غریب۔ سرمایہ دار اور مزدور۔ دولت مند اور قلاش۔ خوشحال اور محروم۔

پس مفاد پرست عناصر کی اسی خود غرضی کی وجہ سے اللہ کا رازق ہونے کا وعدہ بھی ڈانواں ڈول ہوتا چلا گیا۔ اور اس میں اللہ کا کوئی قصور نہیں تھا۔ سب انسان کی "کارگزاری" تھی۔ ورنہ وہ تو واقعی رازق اور سب کا محافظ تھا اور ہے۔ قصور سارا حکمران اور سرمایہ دار طبقہ کا ہوتا تھا جس کا مفصل ذکر میں پیچھے "ملوکیت کی خرابیوں" کے عنوان سے کر آیا ہوں۔

لہٰذا یہ نماز کچھ بھی نہیں سوائے ایک من گھڑت اور بے روح رسم کے۔

اس نماز میں اذان جگہ جگہ مقابلہ بازی میں دی جاتی ہے۔ ہر فرقہ کی مسجد بڑھ چڑھ کر اذان کے لئے بلا رہی ہوتی ہے۔

لوگ اکٹھے ہو کر رسمی پرستش کر کے گھروں کو واپس چلے جاتے ہیں۔ نہ کوئی مشاورت، نہ کوئی قرآن فہمی۔ مرکز ملت کی

اطاعت کی ظاہری حرکاتی مشق اور مشاورت والا مقصد تو دورِ ملوکیت کی ابتداء سے ہی فوت ہو چکا تھا۔ رہی قرآن فہمی تو وہ بھی لوگوں کے نماز کے دوران قرآن کو نہ سمجھ پانے کی وجہ سے فوت ہو گیا۔

"ان کی صلوٰۃ اس کے سوا کچھ بھی نہیں کہ اللہ کے گھر میں کچھ آوازیں (رٹی رٹائی سورتیں) اور کچھ (بے روح) حرکات ہیں۔ پس کیا نتیجہ نکل سکتا ہے اس طرح کے کفر کا دنیا اور آخرت میں عذاب کے سوا" (سورہ الانفال۔ آیت 35)

باب نہم: مروجہ نمازیں تو باطل ٹھہریں اور نظام صلوٰۃ اور مرکز ملت والی اسلامی فلاحی ریاست بھی اب موجود نہیں تو اب کیا کیا جائے ؟؟؟

اس تمام مسئلہ کا حتمی اور منطقی حل

یہ ایک ایسا سوال ہے جو اس ساری صورتحال کو سمجھنے کے بعد ہر دانشمند، سمجھدار، پڑھے لکھے اور حقیقی اسلامی فلاحی نظامِ صلوٰۃ کے خواہشمند مسلمان کے دل میں پیدا ہوتا ہے جو مسلمانوں کی موجودہ غلط میں تبدیلی کا خواہشمند ہوتا ہے۔ پس ایسا شخص سوال کرتا ہے کہ مسلمانوں میں مذہب کے نام پر یہ جو کچھ ہو رہا ہے اور جس طرح ارا کین اسلام (صلوٰۃ، صوم، حج، زکوٰۃ، جہاد) وغیرہ کو مذہبی رسوم باطلہ بنا کر ان کی دھجیاں بکھیر دی گئی ہیں اور ان کا نتیجہ خیز ہونا ختم کر دیا گیا ہے اور یہ عبادات ان نتائج کی حامل نہیں جنہیں قرآن اسلامی زندگی کا لازمی نتیجہ قرار دیتا ہے اور جسے قرآن کے اندر "حکمت" کہہ کر پکارتا ہے۔ تو اگر اس نظام کے قیام کیلئے اب کوشش شروع کریں بھی تو اس کے لئے ایک طویل ترین عرصہ وقت درکار ہوگا۔ شائد ہزار سال یا اس سے بھی زیادہ۔ لہذا اس درمیانی عرصہ میں کیا کیا جائے؟ کیا جو کچھ ہو رہا ہے اسے ہونے دیا جائے یا اسے چھوڑ دیا جائے؟ اور قرآنی نظام زندگی کے قیام کی کوشش کی جائے۔

یہ سوال ایسا ہے کہ ہر اس شخص کے ذہن میں پریشانی پیدا کر دیتا ہے جو حقیقی قرآنی انقلاب کا متمنی ہو۔

دنیا میں انقلاب کی آرزو رکھنے والوں میں اکثر لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا ماضی اس ماحول سے وابستہ ہوتا ہے جس سے وہ خود نکلنا اور دوسروں کو نکالنا چاہتے ہیں۔ اور ان کی توقعات صرف اسی مستقبل سے وابستہ رہتی ہیں جس کی تعمیر کے لئے وہ کوشاں ہوتے ہیں۔ پس انہیں ایک مدت تک اس برزخی کشمکش میں رہنا پڑتا ہے۔ صورتحال یوں ہو جاتی ہے کہ ان کے دامن کا ایک سرا ماضی سے جڑا رہتا ہے اور دوسرا مستقبل سے۔

لیکن ان میں سے اکثر ایسے بھی ہوتے ہیں کہ اس جگر سوز اور جانگنی جیسی قرآنی نظام کی جدوجہد میں پیش آنیوالی مشکلات کی تاب نہ لا کر پھر سے واپس اپنے ماضی کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔

البتہ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں یہ توفیق ہوجاتی ہے کہ وہ اپنے ماحول سے کٹ کر اس شاندار نظر آنیوالے قرآنی مستقبل کے ساتھ وابستہ ہوجائیں جو ان کی تحقیق کے سبب ان کی امیدوں کا مرکز ہوتا ہے۔

اس درمیانی زندگی میں عموماً دل تو چاہتا ہے کہ ماضی سے تعلق بھی ایک دم منقطع نہ ہو اور مستقبل بھی قریب آجائے۔ لیکن جان لیجئے کہ انقلاب کا فرشتہ بہت سخت گیر واقع ہوا ہے۔ اس کی لغت میں ''مفاہمت (Compromise)'' کا تو لفظ ہی موجود نہیں۔ اس کا یہی اعلان ہوتا ہے کہ:

''میں نے ہر طرف سے اپنا تعلق منقطع کرکے اپنا رخ خالصتاً اسی خدا کے قانون کی طرف موڑ لیا ہے جو فاطر السموٰت والارض ہے۔ اور اس طرح میں نے شرک کی رگ حیات کو کاٹ کر رکھ دیا ہے۔'' (سورہ الانعام۔ آیت 79)

وہ اس اعلان سے ہٹ کر کوئی مفاہمت تسلیم نہیں کرتا۔ لہذا جو لوگ آج ہم میں قرآنی زندگی کو ایک بار پھر تشکیل شدہ دیکھنے کے خواہشمند ہیں اور اس انقلاب کے داعی ہیں جو رسول اللہ اور خلافت راشدہ کے دور میں برپا کیا گیا تو انہیں اس کے متعلق ایک ہی فیصلہ لینا ہوگا:

(1) کیا وہ سمجھتے ہیں کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ قرآنی نہیں تو انہیں کھل کر بے لاگ اور رواشگاف انداز میں اس بات کا اعلان کرنا ہوگا کہ یہ سب اسلام نہیں۔ خواہ اس میں ان کے اپنے ہی ذاتی جذبات کیوں نہ مجروح ہوں اور کیسی ہی دشمنیاں کیوں نہ مول لینی پڑیں۔ آخری نبی آخر الزماں ﷺ اس اعلان انقلاب کے لئے پورے مکہ کی دشمنی مول لے سکتے ہیں تو ہم داعیان انقلاب قرآنی ایسا کیوں نہیں کر سکتے؟

(2) اس کے برعکس اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ موجودہ دور میں اسلام کے نام پر جو کچھ ہو رہا ہے اس میں کانٹ چھانٹ اور معمولی تبدیلیاں کرکے قرآن کا حقیقی نظام قائم ہوجائیگا تو کم از کم میرا تو اپنی حقیری بصیرت و فہم کے مطابق اعلان ہے کہ اس سے قرآن کا حقیقی انقلاب کبھی نہیں آسکے گا۔

موجودہ حالات میں تعین قبلہ کیسے کیا جائیگا؟ اور حقیقی قرآنی دعوت دین کیسے دی جائے؟

جب تک خلافت راشدہ تک اللہ کا دیا ہوا انسانی فلاحی نظام قائم رہا، تعین قبلہ کا مقصد بھی پورا ہوتا رہا۔ لیکن جب مسلمانوں نے اللہ کے دیئے ہوئے نظام کو چھوڑ کر گروہی مذہب تشکیل کر لیا تو اس امت کا مقام وہ نہ رہا نہ اس کے قبلہ کی وہ حیثیت رہی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب نظام گم ہو جائے اور قوم اجتماعی قرآنی زندگی کی بجائے انفرادی مذہبی زندگی بسر کر رہی ہو لیکن اس کے دل میں اس نظام کے قیام کی آرزو بھی ہو تو اس وقت قبلہ کیسے بنایا جائے؟ یعنی اس اجتماعی زندگی کی ابتداء کہاں سے کی جائے؟ اس سلسلہ میں قرآن نے بنی اسرائیل کی داستان بیان کرنے کے بعد اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے جہاں کہا کہ ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ اگر ایسے حالات پیدا ہو جائیں تو:

''اپنے گھروں میں اپنی تنظیم کے مراکز بناؤ اور وہیں سے اللہ کے نظام کے قیام کی ابتداء کرو۔'' (سورہ یونس۔ آیت 87)

ایسے حالات میں قوم کے اندر ذہنی انقلاب لانے اور ان کو حقیقی قرآن فہمی عطا کرنے کے لئے گھروں کے اندر ایسے مراکز قائم کر دیئے جائیں جہاں افراد کے ذہنوں کو وحی کے ذریعے دیئے گئے اللہ کے نظام و قوانین کی روشنی سے منور اور ان کے کردار کو اللہ کے نظام و قوانین

کے سانچے میں ڈھالنے کے انتظامات کئے جائیں۔ اس طرح انفرادی طور پر گھروں سے اٹھنے والا یہ انقلاب اجتماعی قومی انقلاب میں تبدیل ہو جائیگا۔ پھر اس کے لئے ایک حقیقی قبلہ یا مرکز قائم ہو جائیگا۔ جیسے رسول اللہ ﷺ نے اپنی مکی زندگی میں اپنے ساتھیوں کو ساتھ ملا کر انقلاب کی شروعات کی۔

قرآن کی موجودگی میں ایسا کرنا اور پھر بتدریج اس اسلامی فلاحی نظام کا احیاء کرنا کچھ بھی مشکل نہیں۔ اور یہی ہم فکر قرآنی کے حامل مسلمان کر رہے ہیں۔ کہ اپنے گھروں سے اس نظام کو دوبارہ زندہ کرنے کا آغاز کر چکے ہیں جو بتدریج ہماری قومی اجتماعی زندگی اور خلافت راشدہ جیسے اسلامی فلاحی نظام ریاست (صلوٰۃ) پر منتج ہوگا۔ انشاء اللہ۔

اللہ نے قرآن کو محفوظ بھی اسی لئے رکھا ہے کہ اگر آئندہ کے کسی دور میں بھی یہ نظام موجود نہ رہے تو اسے دوبارہ قائم بھی کیا جاسکے۔

موجودہ دور میں دنیا بھر کے انسان اپنی قومی حلقہ بندیوں اور گروہ بندیوں سے بیزار ہوکر کسی عالمگیر نظام کے خواہشمند ہوتے جارہے ہیں اور پوری دنیا میں ''گلوبلائزیشن'' کی آوازیں بلند ہورہی ہیں۔ چونکہ اس نظام کے قیام کے لئے کسی مشترکہ ضابطہ حیات کی بھی ضرورت ہے جو منجانب اللہ ہو اور اسے تمام دنیا کے لئے نازل کیا گیا ہو۔ وہ ضابطہ حیات بلاشبہ قرآن مجید کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہے۔ جس دن دنیا نے اس حقیقت کو جان لیا، اس دن عالمی نظام حکومت کے قرآنی خواب کی تعبیر سامنے آجائیگی۔ اور جس عالمی حکومت کے خواب یہودی زمانہ قدیم سے دیکھ رہے ہیں اور عالمی حکومت قائم کرکے پوری دنیا کو غلام بنا کر عالمی وسائل پر قبضہ کے خواب دیکھ رہے ہیں (تفصیلات کے لئے وکٹر ای مارسڈن کی کتاب ''Protocols: World Conquest through world Government'' کا مطالعہ کریں۔) اسلام اس عالمی نظام حکومت کو قرآن کی نگرانی میں قائم کرکے ناانصافی کی بجائے عالمی عدل قائم کرکے دکھادے گا۔ انشاءاللہ۔

باب دہم: مسجد کا حقیقی مقام

اسلامی فلاحی ریاست میں نظامِ صلوٰۃ کی اس بیان کردہ تشریح کے مطابق مسجد کا حقیقی مقام

اللہ نے انسانی نسل کو وحی کے ذریعہ جو نظامِ حیات اور فلاحی نظام صلوٰۃ عطا کیا ہے اس نظام کے قیام ونفاذ کے محسوس مراکز کو مسجد کہتے ہیں۔ اللہ کے نظام کا انقلاب چونکہ سب سے پہلے انسانی ذہنوں میں لایا جاتا ہے لہذا اس سلسلے میں قرآن کے متعین کردہ پروگرام کے تحت مقررہ اوقات میں روزانہ ان مراکز (مساجد) میں قرآن فہمی کی مجالس قائم کی جاتی ہیں جہاں قرآن کو سمجھ کر پڑھا جاتا ہے۔ اس کے احکام وقوانین کو عمل میں لانے کے طریقے سوچے جاتے ہیں۔ اس طرح آہستہ آہستہ افرادِ معاشرہ کے ذہن قرآنی تعلیمات کی روشنی میں منور اور ان کے کردار قرآنی تعلیمات کے سانچے میں ڈھل جاتے ہیں۔ اور جب یہ ہو جائے تو پھر اللہ کا عطا کردہ انسانی فلاحی نظام با آسانی قائم ہو جاتا ہے۔ اسلامی فلاحی نظام کے قیام کے بعد پھر یہی مساجد اللہ کے نظام کے نفاذ کے مراکز کا کام دینے لگ جاتی ہیں۔ یہ ہے مسجد کا حقیقی استعمال اور اس کا مقام۔

لیکن ہمارے ہاں مسجد فرقہ بندی کے مورچے اور چند مخصوص طبقوں اور مذہبی پیشوائیت کے میدان جنگ بن کر رہ گئے ہیں۔ مفاد پرست ملوکیت اور مذہبی پیشوائیت جن کے گٹھ جوڑ سے ہونے والی سازشوں اور استحصال کی کہانی پیچھے میں بیان کر چکا ہوں، نے جب اللہ کی کتاب قرآن کریم کی اطاعت سے امت کو ہٹا کر اپنے پیچھے لگا لیا تو پھر دین مذہب میں تبدیل ہو گیا۔ دورِ رسالت اور خلافت والا کچھ بھی باقی نہ رہا۔ اللہ کی کتاب قرآن کو لپیٹ لپاٹ کر الماریوں میں رکھ دیا گیا اور اس پر مکڑیاں جالے تننے لگیں۔ جبکہ ہمارا عمل ان سازشی عناصر (ملوکیت، مذہبی پیشوائیت اور ایرانی و یہودی سازشی عناصر) کے بنائے ہوئے مذہب پر ہونے لگا۔ ہم اللہ کی دی ہوئی رسی چھوڑ کر گمراہی کے گڑھے میں جا گرے اور فرقوں اور گروہوں میں تقسیم ہو کر لڑنے بھڑنے لگے۔ اب ہماری مساجد مختلف فرقوں کے خلاف منافرت کے گڑھ بن چکی ہیں۔ ان سے اب دورِ خلافت کی طرح قرآن فہمی اور مشاورت کے اجتماعاتِ صلوٰۃ اور مرکز ملت کی

اطاعت کی اور اللہ کے اسلامی فلاحی نظام کے نفاذ و اطاعت کی عملی مشق کا تو کام نہیں لیا جاتا۔ البتہ ان مساجد میں مولوی خوب جوش و جذبہ سے مذہبی منافرت و فرقہ بندی کے اسباق یاد کراتا ہے۔ قرآن کے رٹے لگائے جاتے ہیں۔ مذکورہ بالا سازشی عناصر کے متعین کردہ بوسیدہ اور غیر قرآنی علوم (درس نظامی وغیرہ) پر آٹھ آٹھ سال ضائع کرائے جاتے ہیں اور ربیع الاول اور محرم الحرام پر تو خصوصی طور پر فرقہ بندی و فتویٰ گری کے امور سرانجام دیئے جاتے ہیں۔ مولویوں کی گلی گلی بنائی ہوئی یہ مساجد اللہ کے اسلامی فلاحی نظام کے قیام اور قرآن فہمی و مشاورتِ دینی کی کوئی خدمت سرانجام نہیں دے رہیں بلکہ صرف فرقہ واریت اور باہمی نفرت پیدا کر رہی ہیں اور عوام کے پیسے کو چندے، فطرانے، زکوٰۃ اور عطیات کی خوبصورت شکل میں مذہبی پیشوائیت کی جیبیں بھرنے اور ان کی پرورش کے کام کے لئے مولوی کے ایک نجی "بینک" کا کام کر رہی ہیں۔ الٹا آئے دن مختلف فرقوں کے انتہاپسند دہشت گرد مسلمان ایک دوسرے کی مساجد پر خودکش حملے، بمباری اور فائرنگ کر کے ایک دوسرے کا قتل عام کرتے ہیں اور یہی چیز مسلمانوں اور ان کی مساجد کی پہچان بن چکی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جہاں اس مضمون کی مدد سے میں نے قرآن کریم کی مدد سے مروجہ نماز باطل ثابت کی ہے، اسی طرح موجودہ مساجد کو بھی ان کا اصلی مقصد فوت ہو جانے کی بناء پر باطل اور فرقہ واریت کی آماجگاہیں قرار دیتا ہوں اور انہیں دورِ رسالت کی طرح مسجد ضرار کے زمرے میں لاتے ہوئے گرا دینے کا فیصلہ کرتا ہوں۔ کیونکہ یہ اسلام کو دن بدن تباہ و برباد کرنے کا سبب بن رہی ہیں۔ کیونکہ ان مساجد کی حیثیت اب علامتوں کی سوا کچھ نہیں رہی۔ جیسے یہودیوں نے اللہ کے نظام کے قیام کے مرکز کو ہیکل کی شکل میں تبدیل کر دیا (سورہ بنی اسرائیل کی ساتویں آیت میں یہودی ہیکل کو بھی مسجد کہہ کر پکارا گیا ہے)۔ اور دیگر باطل مذاہب نے محض علامتی خانقاہیں اور مقبرے قائم کر لئے۔ اسی طرح مسلمانوں نے بھی حقیقی مقصد کو دفن کر کے محض علامتی مساجد قائم کر دی ہیں۔ اس تصور کی نشاندہی اللہ نے قرآن میں سورہ الکہف میں بھی کی ہے۔

"لوگوں نے انقلابی نوجوانوں اصحاب کہف کے اس غار کے مقام پر مسجد بنا ڈالی۔" (سورہ الکہف۔آیت 21)
یعنی وہ نوجوان تو اللہ کا فلاحی نظام قائم کرنے کی جدوجہد میں مصروف تھے مگر بعد والے لوگوں کی نگاہوں سے وہ جدو جہد کا تصور او جھل ہوگیا جیسا کہ اکثر ہوتا آیا ہے۔البتہ ان کی یادگار میں ایک خانقاہ یا مقبرہ تعمیر کردیا گیا جسے پوجا پاٹ کا مقام قرار دیدیا گیا۔یہی کچھ مسلمانوں نے بھی کیا ہے کہ بین الانسانی فلاحی نظام کے قیام کے مرکز خانہ کعبہ کو محض زیارت کرنے اور رسمی حج کرنے کا مقام قرار دیکر طواف لگانے اور حجر اسود کو چوم کر واپس چلے جانے کی جگہ قرار دے کر ایک علامتی خانقاہ ہی بنا کر رکھ دیا ہے اور حقیقی مقصد کو دفن کر دیا ہے۔یہی کچھ ہمارے ہاں قائم مساجد کو بنا کر کیا گیا ہے۔

سورہ التوبہ میں ان مساجد کا بھی ذکر ہے جن کی بنیاد تقویٰ پر رکھی جاتی ہے اور ان مساجد کا بھی جن کا مقصد مسلمانوں میں فرقہ بندی پیدا کرنا ہوتا ہے۔(دیکھیں آیات 107 اور 108۔سورہ التوبہ) اور جسے قرآن کریم نے کفر قرار دیا ہے۔اور اللہ کے نظام کے مخالفین (مذہبی پیشوائیت) کیلئے پناہ گاہ کہہ کر پکارا ہے۔**قرآن نے چونکہ فرقہ بندی کو متعدد مقامات پر شرک قرار دیا ہے۔(سورہ الروم۔آیت 31) اس لئے واضح طور پر کہہ دیا ہے کہ مشرکین کو اس بات کا حق نہیں کہ وہ اللہ کی مساجد کو آباد کریں۔**

اس نے واضح اعلان کر دیا ہے کہ:

"اور مساجد اللہ کے نظام کے مراکز ہیں۔پس ان میں اللہ کے نظام و قوانین کے ساتھ کسی دوسرے نظام و قوانین کو مت پکارو۔" (سورہ الجن۔آیت 18)

فرقہ بندی شرک اسی لئے ہے کہ اس میں خالص اللہ کے قوانین کی اطاعت نہیں ہوتی بلکہ اللہ کے قوانین کیساتھ دوسری ہستیوں کے قوانین بھی شامل کر لئے جاتے ہیں۔خالصتاً اللہ کے قوانین کی اطاعت کرنے سے امت میں تفرقہ تو پیدا ہو ہی نہیں سکتا تھا۔کیونکہ اللہ نے قرآن کے منجانب اللہ ہونے کی یہی دلیل دی ہے کہ اس میں کوئی

اختلافی بات ہے ہی نہیں۔

جس طرح سجدہ سے مراد اللہ کے قوانین کے سامنے سر جھکا دینا ہے۔ اسی طرح مسجد سے مراد بھی وہ مقام ہے۔ جو صرف اللہ کے نظام و قوانین کا مرکز ہے۔

خانہ کعبہ کو مسجد الحرام کہا گیا ہے (سورہ الفتح۔ آیت 27) تو اسی لئے کہ وہ اللہ کے نظام کا مرکز ہے۔ وہ اس امت کا محسوس مرکز ہے۔ جس کی خصوصیت ہی اللہ نے اپنے قوانین کے سامنے جھکنے والی بتائی ہے۔

چونکہ رسول اللہ ﷺ کی مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کے بعد مدینہ کو اللہ کے نظام و قوانین کی حکومت کا دنیا کا پہلا مرکز قرار پانا تھا اسی لئے قرآن کریم میں ہجرت کی اس رات کے تذکرہ کے سلسلہ میں مدینہ کو مسجد اقصیٰ (دور کی مسجد یا مرکز) کہہ کر پکارا گیا ہے۔

"پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو ایک رات مسجد الحرام (مکہ کی مسجد) سے نکال کر اس دور کی مسجد (مدینہ) کی طرف لے گیا جس کے ماحول کو ہم نے بابرکت بنایا تھا تاکہ ہم اسے اپنے قوانین کی نشانیاں دکھائیں۔" (سورہ بنی اسرائیل۔ آیت 1)

اس آیت کو غلط طور پر واقعہ معراج سے جوڑا جاتا ہے۔ جیسا کہ میں نے پیچھے مضمون میں بیان کیا ہے کہ ہمارا قبلہ شروع دن سے مکہ میں موجود خانہ کعبہ تھا جو حضرت ابراہیمؑ نے ہمارے لئے تعمیر فرمایا تھا تو فلسطین میں موجود بیت المقدس کے قبلہ اول ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ اسی قبلہ کو ختم کر کے ہی تو ابراہیمؑ نے مکہ میں خانہ کعبہ تعمیر فرمایا تھا۔ ویسے بھی دورِ رسالت میں اس بیت المقدس کا کوئی وجود ہی نہیں تھا اور وہ تباہ شدہ حالت میں منہدم آثارِ قدیمہ کی طرح تھا۔ اس آیت میں صرف ہجرت کے اس عظیم واقعہ کا ذکر ہے۔ جس میں رسول اللہ ﷺ اپنے جانثار ساتھیوں سمیت راتوں رات مکہ سے مدینہ ہجرت کر گئے اور وہاں جا کر دنیا کی اولین اسلامی فلاحی ریاست کی بنیاد رکھی۔ جس سے اٹھنے والے انقلاب نے پوری دنیا کو منور کیا۔

مزید یہ کہ اس آیت مبارکہ میں جن آیات یا نشانیاں دکھانے کا ذکر کیا گیا ہے یہ وہی آیات یا نشانیاں تھیں جن کے متعلق حضرت موسیٰؑ کو فرعون کی طرف لیجانے کا حکم دیتے وقت کہا گیا تھا کہ:

"تا کہ ہم تمہیں اپنی بڑی بڑی نشانیاں دکھائیں" (سورہ طٰہٰ۔آیت 23)

یہ آیات حضرت موسیٰؑ کی فرعون کے ہاں کامیابی تھیں اور یہی اللہ کی وہ نشانیاں تھیں جن کا اظہار مدینہ میں ہجرت کے بعد ہونا تھا۔یعنی اہل ایمان کا باطل قوتوں پر غلبہ و کامیابی۔

اس سے یہ حقیقت بھی نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ مسجد اللہ کے نظام کے مراکز ہیں جس میں اسلامی مملکت کے مختلف امور سرانجام دیئے جاتے ہیں۔جیسا کہ دور نبوی میں مسجدِ نبوی کا مقام تھا۔اسے پرستش کا مقام نہیں بنایا جاسکتا۔کیونکہ پرستش کو غلطی سے عبادت کہنے اور عبادت کے حقیقی مفہوم یعنی اللہ کے قوانین کی بندگی کو میں مضمون کے پہلے باب میں خوب قرآنی وضاحت سے بیان کر چکا ہوں اس لئے عبادت اور دنیاوی امور میں فرق کیا ہی نہیں جاسکتا جس کے لئے مسجد استعمال کی جاتی ہے۔یاد رکھیں دنیا کا کوئی بھی کام جو اللہ کے قانون کے مطابق سرانجام دے دیا جائے اُسے عبادت کہتے ہیں۔مندرجہ ذیل آیاتِ قرآنی پر غور کریں:

مسجد اللہ کے قوانین کی اطاعت کے معنی میں

"کہو میرا پروردگار عدل و توازن کی زندگی گزرنے کا حکم دیتا ہے۔تم اپنی تمام تر توجہ کو اللہ کے قوانین پر مرکوز رکھو اور ان کے سامنے سرِ تسلیم خم کردو۔(مسجد)" (سورہ الاعراف۔آیت 29)

اطاعت صرف اللہ کے قوانین کی ہی ہوگی

"دیکھو اطاعت صرف اللہ کے قوانین کی ہی ہوگی لہذا ہرگز اللہ کے قوانین کے ساتھ کسی اور کے قوانین شامل نہ کرنا" (سورہ الجن۔آیت 18)

زیب وزینت اللہ کی اطاعت کی راہ میں حائل نہیں ہوتی

اس آیت میں لفظ ''مسجد'' کا استعمال قابل توجہ ہے

''اے بنی نوع انسان تم زیب وزینت کرسکتے ہو، زیب وزینت اللہ کی اطاعت کی راہ میں حائل نہیں ہوتی۔ پس تم کھاؤ پیو اور اشیائے کائنات سے فائدہ اٹھاؤ۔ مگر حد سے تجاوز نہ کرنا۔'' (سورہ الاعراف۔ آیت 31)

تفرقہ بازی اور منافرت کا گڑھ مسجدیں (دور حاضر کی مساجد میں جانے کی اللہ کی سختی سے ممانعت)

''یہ لوگ مسجد تعمیر کرتے ہیں کہ اللہ کے نظام کو نقصان پہنچائیں اور کفر کی راہ کشادہ کریں اور مسلمانوں میں باہمی تفرقہ بازی پھیلائیں۔ اور اس کام کے لئے کمین گاہیں مہیا کریں۔ ان کے لئے جو پہلے ہی اللہ کے فلاحی نظامِ کے دشمن ہیں، یہ لوگ ہزار تسلیاں دیں گے کہ ان کا مقصد نیک ہے۔ لیکن اللہ شہادت دیتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں۔ پس ایسی کسی مسجد میں قدم نہ رکھنا۔ یاد رکھو یہ حکم ہمیشہ کے لئے ہے۔'' (سورہ التوبہ۔ آیت 107 تا 108)

ہماری مسجدیں۔۔۔۔فلاح واجتماعیت نہیں بلکہ فرقہ بندی کے مراکز

آج ہر مسجد سے آواز بلند ہوتی ہے کہ ''آؤ فلاح کی طرف۔ آؤ کامیابی کی طرف''۔ اب یہ کونسی کامیابی وفلاح ہے جس کے لئے لوگوں کو پانچ اوقات بلایا جاتا ہے؟؟؟ اسکی ایک مثال کے ذریعہ وضاحت پیش خدمت ہے۔

کسی جگہ پر ایک بڑی دعوت ہو رہی ہے۔ سینکڑوں لوگ اس دعوت میں شریک ہیں اور ایک ہی ہال میں بیٹھ کر آپس میں بھائی چارے اور رواداری سے گفتگو وتناول میں مصروف ہیں۔ کسی کی کسی سے کوئی دشمنی نہیں، دلوں میں کوئی بغض نہیں، نہ کوئی نفرت یا گروپ بندی ہے۔ سب ایک ہیں۔

اتنے میں اذان ہوتی ہے۔ سب لوگ نماز کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ اب یہی لوگ جو چند لمحہ قبل اکٹھے تھے، اب علیحدہ علیحدہ ہو کر اپنے اپنے فرقوں کی مساجد کا رخ کرتے ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ لوگ جو چند لمحات قبل اکٹھے تھے، نماز کے لئے کیوں الگ ہو گئے؟ اس کا تو صاف

جواب یہی ہوا نہ کہ ان لوگوں کو اس "نماز" نے الگ کیا۔ اور اسی الگ نماز کے لئے مساجد بھی الگ الگ منتخب کی گئیں۔ پس سارے فساد اور فرقہ بندی کی جڑ اسی 'اختلافی نماز' ہی میں ہے جو ہر فرقہ کا امتیازی نشان ہے۔ ہر فرقہ اپنی اپنی نمازوں سے پہچانا جاتا ہے۔ اور اس کے بعد فرقہ واریت کی جڑیں ان "مساجد" نما اڈوں میں ہیں جن سے فرقہ واریت کا علم بلند ہوتا ہے۔ تو یہ دونوں غیر قرآنی تصورات ہونے کی وجہ سے باطل ثابت ہوئے اور ان کی پیروی (صلوٰۃ قائم کئے بغیر نمازیں پڑھتے جانا اور ان مساجد میں جانا) کفر ٹھہری۔

ہماری مساجد ہمارے فرقوں کی شناختی علامات ہیں۔ ان کے دروازوں پر شناختی نشان نصب ہیں: مسجد اہل سنت، مسجد اہل حدیث، مسجد دیوبند، مسجد قادریہ، رضویہ، حنفیہ، غوثیہ، امامیہ وغیرہ۔

کتنے افسوس کی بات ہے کہ دور رسالت کی مسجد نبوی سے آواز اٹھتی تھی کہ آؤ جماعت کی طرف اور فلاح کی طرف۔ لیکن یہ ہماری مذہبی پیشوائیت کی دی ہوئی برائی ہے جسے ہم فرقہ واریت کے نام سے جانتے ہیں۔ پس فرقہ واریت پھیلانے کی وجہ سے یہ مذہبی پیشوائیت، نمازی، اور مسجدوں کے متولی اور ان میں جانے والے تمام کے تمام شرک کے مرتکب اور اللہ کی لعنت کے حقدار ٹھہرے۔

ایسی مسجدوں سے فلاح کیسے آسکتی ہے جو خود کو مومن اور دوسرے کو کافر بتلاتے ہوئے فرقہ بندی کی آماجگاہیں بن چکی ہوں۔ ایسی مسجدوں کا گرا دینا صحیح فکر قرآنی رکھنے والے مسلمانوں پر فرض ہے۔ کیونکہ اللہ کا بھی حکم ہے کہ:

"یہ لوگ مسجد تعمیر کرتے ہیں کہ اللہ کے نظام کو نقصان پہنچائیں اور کفر کی راہ کشادہ کریں اور مسلمانوں میں باہمی تفرقہ بازی پھیلائیں۔ اور اس کام کے لئے کمین گاہیں مہیا کریں۔ ان کے لئے جو پہلے ہی اللہ کے فلاحی نظامِ کے دشمن ہیں، یہ لوگ ہزار تسلیاں دیں گے کہ ان کا مقصد نیک ہے۔ لیکن اللہ شہادت دیتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں۔ پس ایسی کسی مسجد میں قدم نہ رکھنا۔ یاد رکھو یہ حکم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہے۔" (سورہ التوبہ آیت 107 تا 108)

باب گیارہ دہم: میرا یہ مضمون پڑھنے کے بعد قارئین کے اذہان میں اٹھنے والے چند ممکنہ سوالات اور ان کے پیشگی جوابات۔

سوال نمبر 1: آپ کے اس تمام مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ مروجہ نماز چونکہ قرآن میں موجود اقامتِ صلوٰۃ کے تقاضوں کو پورا نہیں کر رہی اور نہ اس کے وہ نتائج برآمد ہو رہے ہیں جو قرآن نے قیامِ صلوٰۃ کا لازمی ثمر بتائے ہیں تو پھر آپ کی بتائی ہوئی صلوٰۃ کی تین جہتوں (مرکزِ ملت کی اطاعت میں نفاذِ نظامِ صلوٰۃ (انسانی فلاحی نظام) قرآن فہمی و مشاورت کی غرض سے منعقد کئے جانے والے اجتماعاتِ صلوٰۃ، اور فرائض منصبی کی ادائیگی والے صلوٰۃ کی تیسری جہت پر عمل درآمد آج کے دور میں کیسے کیا جائیگا؟ کیونکہ اس دور میں چونکہ وہ نظام تو موجود نہیں، گم کر دیا گیا ہے، مگر ہمیں فریضہ صلوٰۃ پر عمل بھی کرنا ہے۔ کیونکہ ہماری ذمہ داری ہے۔ تو ہم اس دوران کیا کریں؟

جواب: اس کا جواب میں مضمون کے باب نہم میں "اب کیا کیا جائے؟" کے عنوان سے دے چکا ہوں۔ وہ دوبارہ غور سے پڑھ لیجئے۔ ویسے میں ابتدائی تمہید میں بھی عرض کر چکا ہوں کہ اس مضمون کی سمجھ تب ہی آسکے گی جب اسے درمیان سے کہیں پڑھنے کی بجائے شروع سے آخر بغور پڑھا جائے گا۔ جو بھی قارئین اس شرط پر عمل کریں گے، انہیں اپنے اس سوال کا جواب مضمون کے اندر سے ہی مل جائیگا۔

سوال نمبر 2۔ آپ نے اس تمام مضمون میں قرآنی آیات کا جو ترجمہ پیش کیا ہے وہ مسلمانوں کے پاس موجود روایتی ترجموں سے مطابقت نہیں رکھتا۔ آپ نے یہ ترجمہ کیوں پیش کیا ہے؟ کیا یہ ترجمہ حقیقی ہے یا الفاظِ قرآنی کو اپنے مطالب کے مطابق ڈھالنے کی ایک روایتی مذموم کوشش؟ واضح کریں۔

جواب: محترم معترض، یہ جو آج اسلام مسخ ترین حالت میں نظر آتا ہے اور مذہبی پیشوائیت کا پیش کردہ اسلام غلط اور قرآنی زندہ اسلام سے عدم مطابقت رکھتا ہے، کبھی اس کی وجوہات پر غور کیا ہے؟ کچھ وجوہات تو میں نے اپنے اس مضمون میں "اسلامی فلاحی نظامِ صلوٰۃ کے قیام اور محض رسمی اور باطل نماز پڑھنے میں بنیادی فرق" کے عنوان سے خوب کر

ڈلی ہے۔ کہ انسانی فلاحی دین کو استحصالی مذہب میں تبدیل کرنے کے لئے قرآن کے عین مخالف احادیث وروایات کا انبار لگانے کے علاوہ قرآن کے اندر معنوی تحریف کی بھی دور ملوکیت کے حکمرانوں اور پیشوائیت کو اشد ضرورت تھی۔ اور اسی مقصد سے پورے کے پورے قرآن کریم کے مطالب ومفاہیم کو ہی تبدیل کر کے رکھ دیا گیا۔ اب یہ قرآن کے الفاظ کو تو تبدیل یا ختم نہیں کر سکتے تھے، مگر اس کے تراجم کر کے غلط مطالب پیش کرنے میں انہیں پورا کنٹرول حاصل تھا اور ایسا ہی کیا گیا۔ اس وقت روایتی تراجم وتفاسیر میں سب کچھ یہودیوں اور مجوسی سازشیوں کے آلہ کار ملوکیت زدہ حکمرانوں اور اس دور کی مذہبی پیشوائیت کا تحریر کردہ ہے جو سارے کا سارا خلاف قرآن ہے۔ مروجہ تراجم میں کوئی ایک بات بھی ایسی نہیں جو قرآن کریم کی حقیقی تعلیم سے ملتی ہو۔ اس لئے آج کے دور میں کچھ حقیقی قرآنی فکر رکھنے والے آزاد اور فرقہ بندی کی لعنت سے پاک مفکرین قرآن اور علماء حضرات نے قرآن کے روایتی تراجم کو رد کرتے ہوئے حقیقی عربی لغتِ عامہ اور سیاق وسباق کے تحت قرآن کا حقیقی مفہوم پیش کیا ہے۔ اور میں نے انہی علماء کرام کے مفاہیم قرآنی کو حقیقی پا کر انہی مفاہیم کو اپنے اس مضمون میں درج کر کے قرآن کریم کی اس حقیقی تعلیم کو آپ کے سامنے لانے کی کوشش کی ہے جسے پرانی روایتی تراجم نے غائب ومسخ کر کے رکھ دیا تھا۔

ترجمہ ومفہوم میں بنیادی فرق (قرآن کا ترجمہ ممکن نہیں)

یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ قرآن کریم کا ترجمہ ممکن نہیں۔ اس کا محض مفہوم پیش کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ کسی بھی جامع ترین کتاب کی اصل روح کو محض لفظی ترجمہ کے ذریعے دوسری زبانوں میں منتقل کرنا ممکن نہیں ہوتا کیونکہ کسی بات کو واضح کرنے کے لئے جو با محاورہ الفاظ کسی ایک زبان میں استعمال کئے جاتے ہیں، ضروری نہیں کہ کسی دوسری زبان میں بھی ان الفاظ کا متبادل بننے کے لئے الفاظ دستیاب ہو سکیں اور ان کا مفہوم واضح ہو سکے۔

مثال کے طور پر تمبا کونوشی کو ہم اردو میں حقہ پینا یا سگریٹ پینا کے الفاظ سے واضح کرتے ہیں۔ اب انہی الفاظ کا اردو سے انگریزی میں ترجمہ کرنا ہو تو سگریٹ کے "پینے" کو ہم انگریزی میں **Drink** نہیں کر سکتے۔ کیونکہ پینے کا

لفظی انگریزی ترجمہ تو ڈرنک ہوسکتا ہے مگر سگریٹ پینے کے عمل کا مفہوم اس Drink سے ادانہیں ہوتا۔اس کے لئے وہی الفاظ استعمال کرنے ہونگے جوانگریزی زبان میں اس عمل (سگریٹ نوشی) کے لئے مستعمل ہیں۔یعنی Smoking۔بالکل ایسے ہی تضادات دوسری زبانوں کے معاملہ میں بھی پیش آسکتے ہیں۔کیونکہ ہرزبان کے اپنے محاورے، اصطلاحات اورضرب الامثال ہوتی ہیں اوران کا کسی دوسری زبان میں لفظی ترجمہ نہیں ہوسکتا۔مثلاً ہمارے ہاں کسی کاباپ فوت ہوجائے تووہ کہتا ہے کہ میرے سرسے سایہ اٹھ گیا۔یا کسی کا بھائی فوت ہوجائے تو کہتا ہے کہ میرابازوٹوٹ گیا۔یا کسی کاجوان بیٹافوت ہوجائے تو کہتا ہے کہ میری کمرٹوٹ گئی۔اب آپ اس کا ترجمہ انگریزی میں کرناچاہیں توان فقرات کاترجمہ Shadow gone,arm broken or backbone broken وغیرہ سے نہیں کرسکتے۔کیونکہ اس طرح الفاظ کامفہوم ہی غلط ہوجائیگا۔بالکل یہی غلطی ہمارے روایتی مترجموں اورمفسروں نے کی ہے،جوقرآن کی عربی لغت ومحاورات سمجھے بغیر محض بائبلی اسرائیلیات کوسامنے رکھ کرلفظی ترجمے کرکرکے قرآنی مفہوم وتعلیم کاستیاناس کرتے چلے گئےاوربزعم خود "مترجم،مفسر،محدث ومورخ" بنے بیٹھے رہے۔امت سےقرآن کی زندہ تعلیم کواس طرح چھینا گیا۔اب تک آپ میرامدعاخوب سمجھ گئے ہونگے کہ میں نے آیات کے حوالے دیتےوقت کیوں حقیقی مفہوم قرآنی اس مضمون میں استعمال کیا ہے۔

لفظی ترجمہ کی صورت میں کسی لفظ کی حقیقی روح دنیا کی دوسری زبان میں نہیں دی جاسکتی۔اس کے لئےصرف مفہوم ہی دیناپڑے گا۔یعنی جوکچھ اس مخصوص لفظ میں کہا گیا ہے اسکا مقصد پوری طرح سیاق وسباق ولغت کی روسے سمجھ کر اسے اپنے الفاظ میں دوسری زبان میں مفہوم کی شکل میں منتقل کردینا۔قرآن کے معاملہ میں حقیقی مفہوم قرآنی پیش کرنیوالے قابل قدرعلماءومفکرین حضرات نے یہی کیا ہے۔قرآن کی حقیقی تعلیم کوزندہ کرنے والے چندعظیم دانشور حضرات میں مفکرقرآن علامہ پرویزاورقرآن مرکزاسلام آباد کےعلامہ مشتاق احمدخان نے بہت ہی اچھا کام کیا ہے

اورقرآن کریم کا حقیقی مفہوم پیش کر کے قرآن کی حقیقی تعلیم کو نئی زندگی عطا کی ہے۔ان کے مفاہیم القرآن پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں اور قرآن فہمی کی جستجو کے لئے نہایت اہمیت کے حامل اور رہنما ہیں۔ میں نے انہیں علماء کرام کے مفاہیم سے استفادہ کیا ہے۔اور میرے پیش کردہ تمام مفاہیم آیاتِ قرآنی حقیقت پر مبنی ہیں جن میں کوئی تحریف نہیں کی گئی۔

حرفِ آخر

اللہ کالاکھ لاکھ شکر ہے کہ میرا ایسا اہم ترین مضمون مکمل ہو چکا ہے اور امید ہے آپ احباب کو خوب معلوم ہو گیا ہو گا کہ قرآنی نظامِ صلوٰۃ اور ہمارے ہاں مروج نماز (جسے غیر قرآنی پوجا پاٹ کہا جائے تو زیادہ بہتر ہو گا) میں کتنا زمین آسمان کا فرق ہے۔ کہاں صلوٰۃ کہاں نماز۔ وہ ہماری پوری نوع انسانی کی پرسہل زندگی کے لئے اللہ تعالیٰ نے بطور تحفہ بھیجا ہے اور یہ ہماری دنیاوی زندگی اجیرن کر دینے اور ہمیں ترقی وارتقاء سے روکے رکھنے اور پستی کی گہرائیوں میں دفن رکھنے کا ملائی واستبدادی پروگرام۔وہ انسانی فلاح و بہبود کی غرض سے کائنات کی وسعتوں کو چیر ڈالنے کا پروگرام ہے جبکہ یہ انسانیت کو مسجد کے تاریک کونے میں دفن کر دینے کا پروگرام۔ وہ انسانیت کی فلاح اور کامیابی کا پروگرام ہے، جبکہ یہ انسانیت کی بربادی کا پروگرام۔

بربادی اس لئے کہ ملوکیت اور مذہبی پیشوائیت کی بے غیرتی اور بے حسی کے سبب آج تک مسلمان جس باطل رسم کو دین کا ایک اہم ستون سمجھ کر قائم کرنے کی بجائے "پڑھتے" رہے اور موسمی شدت اور امراض و تکالیف کی حالت میں بھی ان سب عوامل سے لڑتے ہوئے اور دنیاوی مصروفیات کو ترک کر کے اس بے روح و بے مقصد پرستش پر محنت کے ساتھ اپنا وقت ضائع کرتے رہے، یہ صلوٰۃ تھی ہی نہیں، یہ تو ان کے ساتھ کیا جانیوالا ایک دھوکہ تھا جو ان تک ان کے گمراہ اسلاف کی طرف سے منتقل کیا گیا اور جس پر وہ مجبوری سے عمل پیرا رہے۔ان کو حقیقی صلوٰۃ نہ سمجھائی گئی۔

لیکن اللہ کا شکر ہے کہ مجھ سے قبل کچھ روشن خیال دانشور اور اہل عقل وفہم لوگوں نے قرآنی صلوٰۃ والا انسانی فلاحی نظام لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کی، میری کوشش بھی ان کی کوششوں کی طرح ایک کوشش ہے مگر یہ کوشش ان پچھلی کوششوں سے اس لحاظ سے منفرد کہی جاسکتی ہے کہ اس میں حتیٰ الوسع ایک منظم ترین انداز میں ترتیب کے ساتھ صلوٰۃ اور نماز کا حقیقی فرق سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ میری اور میرے جیسے دیگر فکر قرآنی رکھنے والے احباب کی مساعی کو بااجر اور ثمر آور بنائے اور ہمیں ان بے روح و بے مقصد پوجا پاٹ جیسی نمازوں سے جان چھڑا کر حقیقی صلوٰۃ قائم کر کے انسانی فلاحی نظام قائم کر کے انسانیت کی خدمت والی حقیقی عبادتِ الٰہی کرنے کی توفیق عطا فرما۔ آخر میں اپنے قارئین سے آخری گزارش ہے کہ وہ پوری بے فکری کے ساتھ اس بے مقصد و بے روح رسم نماز کو چھوڑ کر قرآن والی حقیقی صلوٰۃ ان اصولوں کے مطابق قائم کریں جو اس مضمون میں زیر بحث رہے ہیں۔ اور حکمرانوں اور امراء کے گریبان پکڑ کر اپنی لوٹی ہوئی دولت نکلوا کر معاشرہ کے افراد میں منصفانہ تقسیم کے انتظامات کریں تا کہ معاشرہ کے افراد محرومی کے لفظ سے ہی نا آشنا ہو جائیں، استحصالی سرمایہ داری نظام اور دیگر برائیاں ہمیشہ کے لئے تباہ و برباد ہو جائیں ہم سب معاشی فکروں سے آزاد ہو کر انسانیت کی فلاح کے قرآنی پروگرام پر مشترکہ طور پر عمل پیرا ہو کر قرآنی وعدہ کے مطابق دنیا بھر میں غلبہ اور قوت حاصل کرسکیں۔ یہی انبیاء کرام اور اللہ کی کتاب قرآن کریم کے نزول کا مقصد تھا اور ہم بھی اسی مقصد کی تکمیل کے لئے تادم کوشاں رہیں گے۔ انشا اللہ۔

مضمون کی مزید بہتری یا کسی ضروری اضافہ کے لئے بندہ اہل علم بھائیوں کی تجاویز کا منتظر رہے گا۔

آپ کی دعاؤں اور مفید مشوروں کا طلبگار

اقرآ نک پاور (فیس بک ایڈریس)